دُنیا میں جہنّم

امین سلونوی

ادارۂ فروغِ اُردو لاہور

دنیا میں جہنم

بیوی کے لکچر

ایمن سلونوی

ادارہ فروغِ اردو لاہور

بار اوّل | جون ۱۹۳۶ء | قیمت عہ/

ناشر
محمد طفیل مالک ادارۂ فروغِ اردو
لاہور

مطبوعہ
پی - آر - بی - ایس پریس
لاہور

فہرست

بیوی کے لیکچر

اولادِ آدم کے نام

مَیں چاہے لسے گیہوں کے اُس دانے کے نام سے معنون کروں جو حضرت آدم کو جنّت سے نکلوانے کا موجب ہُوا اور خواہ آدم کے اُن صاحبزادوں کے نام سے معنون کروں جو اپنی بیویوں کے فدوی شوہر ہیں اور جو روزانہ گھروں سے نکالے جاتے ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ حادثہ کی یکسانیت اور یکرنگی میں کوئی کمی نہ ہوگی میرے ایک دوست اس بات پر برہم ہیں کہ مَیں نے سب کو رسوا کیا ہے حالانکہ جب وہ اپنے واقعات سے مقابلہ کرتے ہیں تو خود ہی شرمندہ بھی ہوتے ہیں ــــ بہت سی حوّا زادیاں بھی مجھ سے برہم ہیں کہ مَیں نے صنفِ نازک کے سر ایک بڑا بھاری الزام رکھ دیا ہے۔ مگر میں ان تمام لوگوں سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو کچھ ان اوراق میں ہے اس کو وہ اپنا ہی واقعہ کیوں تصوّر کرتے ہیں یہ جن لوگوں کے واقعات ہیں انہیں تک محدود رہنے دیں اور اگر اس کے باوجود کوئی صاحب لسے اپنی طرف سے منسوب کرنا چاہتے ہیں تو اس کی ذمّہ داری میرے اُوپر کیوں رکھّی جاتی ہے اب اس کے بعد کوئی ان واقعات سے انکار کر دے تو میں موردِ الزام ورنہ ایسے تمام حضرات اگر بخوشی اپنے نام سے ان اوراق کو معنون کر لیں تو انہیں بھی ثواب ہوگا اور دوسروں کی عاقبت بھی بخیر ہوگی

بہر حال میں سب سے شرمندہ

امین سلونوی

اس کے سوا اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

معذرت گذارش کے ساتھ

دنیا کی ستم ظریفی دیکھیئے کہ ایک مصنّف یا مؤلف برسوں سر مغزی کرنے کے بعد اگر اپنے منتشر خیالات یکجا پیش کرنے کی جرأت کرے تو اُسے اپنی تصنیف یا تالیف کی عمدگی کی ضمانت کے لیے کسی بہت بڑے اُونچے لمبے چوڑے یعنی کسی مشہور لکھاڑ کا مقدّمہ اور دیباچہ بھی شامل کرے گویا وہ تصنیف اس قابل ہی نہیں ہوتی جب تک کسی اے۔ بی۔ سی سے لے کر ایکس۔ وائی۔ زیڈ تک کے حروف والے ڈپلوما ہولڈر کے قلم سے نہ لکھا گیا ہو۔ یہ رسم بہت عرصے سے چلی آتی ہے لیکن میں اس کا مخالف ہوں اور اسی لئے میں نے یہ دردِ سری مول لینے کی کوشش نہیں کی اور اگر اس رسم کو مجبوراً پورا ہی کیا جانا فرض کروں تو میرے دوستوں سے زیادہ کون بڑا آدمی ہو سکتا ہے؟ اور وہ ہیں بانیانِ سرپنچ "احبابِ ثلاثہ" جن کو آج تک لوگ باپ بیٹا روح القدس کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ ان میں مسٹر شوکت تھانوی، مسٹر نسیم انہونوی اور بندہ خود شامل ہے۔ یہ کتاب سرپنچ کے ابتدائی دور میں تیار ہوئی تھی مگر ارادہ برسوں قائم بالذات رہا اور آج اس کی تکمیل ہو رہی ہے چنانچہ میرے دوست مسٹر اختر صدیقی ایڈیٹر سرپنچ (موجودہ) نے اس کے متعلق بطور مقدمہ کچھ لکھا ہے اور تعارف میرے وہی یکے از باپ بیٹا روح القدس یعنی مسٹر نسیم انہونوی مالک سرپنچ جرنلس لکھنؤ نے لکھا ہے۔ بہرحال دنیا کی رسم کے مطابق یہ فرض پورا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے امید تو ہے کہ اس کتاب کو

پڑھنے والے اب منہ نہ بنائیں گے اگرچہ اس فرض کو پورا کرنے کا عہد اسی تثلیث باپ بیٹا روح القدس کے ایک رکن مسٹر شوکت تھانوی نے کیا تھا اور اس زور و شور کے ساتھ کہ مسودۂ کتاب کو انھوں نے مدّتوں اپنی الماری میں بند رکھا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جو مقدّمہ لکھنا شروع کیا تھا وہ بذاتِ خود کوئی ضخیم کتاب بن گیا اور کوئی پبلشر صاحب اس کو اُٹھالے گئے اور اب وہ باطنی طور پر اسی کتاب کا مقدمہ ہے اور ظاہری صورت میں شوکت صاحب کی نئی تصنیف۔ اور اس میں شوکت تھانوی بیچارے کا قصور بھی نہیں اگر وہ صرف اپنی "انکی" تابعداری میں ہوتے تو انہیں وقت بے وقت جگا دیا جاتا۔ لیکن وہ اب حکومت کے حریمِ ناز میں رہتے ہیں اور ان کا سونا جاگنا، اُٹھنا بیٹھنا، لکھنا، پڑھنا اب ان کے اختیار میں نہیں۔ بلکہ چھپے فارموں، رجسٹروں اور دفتر کے نغمہ ساز کے ہجوم کی نذر ہو گیا مگر میں اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ ان کا مقدمہ شامل ہی ہے اور اس طرح یہ کتاب مکمّل ہے۔ اگرچہ اسی کتاب کے سلسلہ میں سر سی۔ وائی چنتامنی کے صاحبزادے مسٹر سی۔ بی راؤ۔ آئی سی ایس نے بھی اچھے الفاظ میں اظہارِ خیال کیا ہے۔ لیکن میری ذاتی رائے تو صرف یہ ہے کہ اگر یہ کتاب خود کسی قابل نہیں۔ تو اس کو تبایوں کے ذریعہ بلند کرنے سے کوئی حاصل نہیں اور اسی لیئے میں نے اس طرف زیادہ توجہ نہیں کی اور یہ سمجھ کر توجہ نہیں کی تھی کہ کتاب دنیا کے سامنے پیش ہوگی خدا معلوم اہلِ نظر کے معیار کے مطابق نکلے یا نہ نکلے تو کون اس رسوائی میں پڑے لیکن مسٹر طفیل صاحب کے اصرار نے اتنی ہمّت بھی دلائی کہ میں اسے پریس میں دے دوں۔ چنانچہ آج اس کے واسطے پورا کا پورا سوال بنا ہوا ہوں۔ میں اپنے ان دوستوں

کا ممنون ہوں اور رسمی طور پر ممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کے سلسلہ میں مقدمہ اور تعارف کی جگہ کو پُر کر دیا گو انہوں نے زیادہ تر میرے عیوب پر پردہ ہی ڈالنے کی کوشش کی ہے کیونکہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ کتاب کے بازار میں آنے کے بعد تو مجھے ہزاروں رسوائیوں کا سامنا کرنا ہی پڑیگا اور میں اس دن سے بچنے کے لئے بھاگ رہا تھا حالانکہ میرے لئے میدانِ حشر بھی رسوائیوں کا ایک دن ہوگا جب کہ اس کتاب سے تعلق رکھنے والے احباب یا اس کو اپنے حالات سے منطبق کرنے والوں کا ہاتھ میرے گریبان پر ہوگا مگر وہاں کچھ گنجائش نکل سکتی ہے لیکن اس دنیا میں مجھے معاف کرنے والا شاید ہی کوئی نکلے گا ـــ

برسرِ اولادِ آدم ہر چہ آید بگزرد

اس کے بعد معافی خواہ

ایمن سلونوی

تعارف

یہ بھی عجیب بات ہے کہ میں آپ سے ایک ایسی ہستی کو متعارف کر رہا ہوں جو اپنی ادبی خدمات شاعری خوشگوئی اور سب سے زیادہ ا۔ن۔س کے باعث ہندوستان کے ہر اس مرد، عورت، بوڑھے اور بچے سے غائبانہ متعارف ہیں جو اخبارات و رسائل کا مطالعہ کرتے رہتے ہیں، یہ ہیں جناب امین سلونوی یعنی ازباب بیٹا روح القدس" یعنی بانیانِ ستر نیچ، مالک و چیف ایڈیٹر انڈیپنڈنٹ نیوز سروس اور سب ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر اودھ اخبار لکھنؤ۔

امین صاحب عمر میں بھی مجھ سے بڑے ہیں اور ان کی علمی و ادبی خدمات کی عمر بھی میری خدمات سے زیادہ ہے اور اس اعتبار سے انہیں میری کتابوں کے تعارف نامے لکھنا تھے۔ لیکن اس کے برعکس میں انہیں متعارف کر رہا ہوں۔ صرف اس لئے کہ میری متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور امین صاحب کی یہ پہلی ہی کتاب ہے جو آپ کے ملاحظہ سے گذر رہی ہے، لیکن اس کا مطلب نہیں آپ یہ نہ تصور فرمائیں کہ امین صاحب نے آج تک صرف یہی ایک کتاب لکھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر امین صاحب سے ان مضامین کو یکجا کیا جائے جو آج تک ہندوستان کے بلند پایہ رسائل و اخبارات میں شائع ہو چکے ہیں تو ایسے ایسے درجنوں مجموعے تیار ہو سکتے ہیں، لیکن امین صاحب نے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں کی، وہ نیوز سروس کے مالک ایڈیٹر ہوتے ہوئے بھی اپنی پبلسٹی کی طرف کبھی متوجہ نہ ہوئے، دوسروں کو بامِ شہرت پر پہنچانے کا مستقل کام کرتے ہوئے بھی انہوں نے کبھی اپنے تئیں مشہور کرنے کی جدوجہد نہ کی ـــــ بہرحال "دنیا میں جہنم" کی اشاعت کے بعد ہمیں توقع ہے کہ امین صاحب کو اپنی دیگر تصانیف بھی کتابی صورت میں پیش کرنا پڑیں گی۔

"دنیا میں جہنم" بیوی کے چند لکچرس (تقاریر) کا مجموعہ ہے جو مختلف معاشی مسائل پر لکھے گئے ہیں بعض بیویاں اپنے کم سخن اور فدوی شوہروں پر کس طرح حاوی ہوتی ہیں انکی معمولی سے معمولی فروگذاشت پر کس طرح ان کا ناطقہ بند کر دیتی ہیں ان لکچرس کے مطالعہ سے آپ کو معلوم ہو جائیگا اور خوش قسمتی سے اگر آپ نے کوئی کم سخن اور فرمانبردار بیوی پائی ہے تو آپ ان شوہروں سے یقیناً اظہار ہمدردی فرمائینگے جن کی بیویاں دیا سلائی نہ لانے یا دوستوں کی خاطر تواضع کرنے یا اسی قسم کے روزمرہ پر اچھے خاصے لکچر دیا کرتی ہیں۔

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ امین صاحب نے یہ لکچر اپنے گھر ہی سے مرتب کیے ہیں اسلئے کہ میں بیگم امین سلونوی سے اچھی طرح واقف ہوں وہ تو خود ہی غالباً اس طرح کے لکچر سنا کرتی ہونگی لیکن یہ یقینی بات ہے کہ امین صاحب نے ایسی عورتوں کی فطرت کا مطالعہ بہت قریب سے کیا جو پروفیسر بیویاں کہلائی جاسکتی ہیں۔

"دنیا میں جہنم" کے تقریباً تمام لکچرس بدفعات میرے رسالہ حریم کے ابتدائی دور میں شائع ہو چکے ہیں جن میں عورتوں نے بھی نہایت دلچسپی سے پڑھا تھا' اور اسی لیے ہم ایک عرصہ تک ان کی اشاعت کا سلسلہ جاری رہا۔ ان لکچرس میں ہنسی مذاق کے ساتھ ہی امین صاحب نے کام کی باتیں بھی کہہ دی ہیں جن سے ہمیں اچھا خاصا سبق بھی ملتا ہے۔

زبان کے متعلق میں کیا لکھوں اس لئے کہ اگر امین صاحب سلونوی ہیں تو میں انہونوی' دس ہی بیس میل کا فاصلہ دونوں کے وطن میں ہے اور دونوں دیہاتی ہیں' زبان کی بلاغت اور فصاحت تو لکھنوی اور دہلوی ادیبوں کے رشحاتِ قلم میں دیکھی جاتی ہے' اس کے باوجود ان لکچرس کی زبان آپ سادہ سلیس اور شیریں پائیں گے۔ طرز تحریر دلکش اور دلچسپ ہے جسے پڑھ کر ہر طبقہ کے افراد لطف اٹھا سکتے ہیں۔

نسیم انہونوی

مقدمہ

بیوی کے لکچر اپنے درشت لب لہجہ میں "دنیا میں جہنم" کا ماحول پیش کر سکتے ہیں لیکن محترم ابن سونوی نے ان لکچروں میں اقتصادیاتِ خانہ داری کے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو واقعی قابلِ غور ہیں یہ لکچر ایسے خانگی مصارف پر ہیں جن میں اکثر مرد اپنی "نصف بہتر" کے مشورہ کو غیر ضروری سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن شریکِ حیات اپنی اس حق تلفی کو کبھی برداشت نہیں کر سکتی اور ہر ہر قدم پر مرد کے اس اقدام کی مخالفت کرتی ہے۔

بیوی کے لکچر کے افادی پہلو کا اگر تجزیہ کیا جائے تو قریب قریب ہر لکچر میں پانچ مختلف جزو ملتے ہیں:-

(۱) مصارف استطاعت سے زیادہ کیے گئے ہیں۔

(۲) مصارف ناوقت کئے گئے ہیں۔

(۳) مصارف غیر ضروری کئے گئے۔

(۴) ضروری مصارف کو نظر انداز کر کے مصارف کئے گئے ہیں۔

(۵) اور ان سب اجزاء پر اعتراض کرتے ہوئے لب و لہجہ اس بات کی شکایت کرتے رہتے ہیں کہ "نصف بہتر" کی تاکید اور منظوری حاصل کئے بغیر مصارف کئے گئے ہیں اور در اصل یہی جذبہ ان تمام لکچروں کا موضوعِ خاص اور روحِ رواں ہے۔

مصنف نے اول چار اجزا کی موافقت میں پست اور کبھی کبھی مضحک دلائل پیش

کرکے پانچویں جزو کو موضوع خاص ثابت کرنے میں جو کامیابی حاصل کی ہے وہ مصنّف کے عمیق مشاہدہ اور زبردست قوّتِ اظہار کا ثبوت ہے۔ کیونکہ بیوی کے اعتراضات جس قدر سطحی، نامناسب اور مضحک ہونگے اسی قدر یہ بات واضح ہوتی جائیگی کہ بیوی نے اپنے حق مشورہ کے نظرانداز کئے جانے پر خواہ مخواہ اعتراضات کرنا شروع کئے ہیں۔

مسٹر امین سلونوی نے بیوی کے لکچروں کا سلسلہ مرتب کرنے میں جو تخیّلی کاوش کی ہوگی اس کا اندازہ لگانا ہی مشکل معلوم ہوتا ہے کیونکہ آپ کی متاہل زندگی سے اچھی طرح واقفیت رکھنے کے باوجود میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے ذاتی تجربات میں تو کبھی ان لکچروں کا کوئی موہوم سا پہلو بھی نہ آیا ہوگا اور اس طرح ان لکچروں میں یا تو کسی حد تک مشاہدہ و مطالعہ شامل ہے یا پھر یہ خالص تخیّلی کاوش کا نتیجہ ہیں جن کو مصنف کی قادر الکلامی نے کچھ ایسا بنادیا ہے کہ وہ مصنف کی آپ بیتی معلوم ہوتے ہیں۔

تخیّل کو اصلیّت کے رنگ میں پیش کرنے میں مسٹر امین سلونوی نے جو کامیابی حاصل کی ہے اس کا ایک راز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنے ان تخیلات کو جو بیوی کے لکچر کی بنیاد ہیں کبھی آمد کے حدود سے آورد کی حد میں لانے کی کوشش نہیں کی اور نہ آپ نے کسی خاص احساس کے ماتحت ایک یا دو نشست میں بیٹھ کر یہ کتاب تصنیف کی ہے بلکہ آپ نے وقتاً فوقتاً ان میں سے مختلف لکچر لکھے ہیں۔ میں نے آپ کے لکچروں کا سلسلہ ۱۹۲۵ء میں بھی دیکھا تھا اور آج بھی آپ اس سلسلہ پر لکھ رہے ہیں۔

آپ کے لکچروں میں جہاں رجحانات اور احساسات کی صحیح تصویر کشی ہے وہاں

مناسب موقع، اندازِ بیان اور صحیح لب ولہجہ بھی ہے جن کی وجہ سے آپ کے لکچروں کا سلسلہ اس قدر مقبول ہوا کہ سنہ ۱۹۲۸ء کے بعد سے اب تک ملک کے متعدد جرائد میں کوئی نہ کوئی جدید جز شائع ہوتا رہا۔

اس موضوع سے کسی قدر ہٹ کر بعض مصنفین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے لیکن ان خیالات کا "نقشِ اوّل" دراصل بیوی کے لکچر ہی ہیں۔ حال ہی میں میں نے نواب مرزا جعفر علیخاں کا ایک مضمون کسی انگریزی جیدہ میں پڑھا ہے جو "پانچ گنی قرض دینے پر" تھا اور جو غالباً موصوف نے مسٹر امین سلوتوی کے ان لکچروں کے موضوع کی تائید ہی میں لکھا ہو گا کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے موصوف مسٹر امین سلوتوی کے ان لکچروں کو بہت پسند کرتے ہیں خصوصاً اس لحاظ سے کہ مسٹر امین سلوتوی نے زبان کے لطف کو کہیں بھی فنا نہیں ہونے دیا۔

بہرحال مسٹر امین سلوتوی کی یہ تصنیف بیوی کے احتجاج، سخت بازپرس اور قدم قدم پر طنز کے لحاظ سے "دنیا میں جہنم" ہے تو افادی حیثیت میں اس کو "بیوی کے لکچر" بھی کہا جا سکتا ہے جو مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی۔

اختر صدیقی
ایڈیٹر سرپنچ

مورخہ
۵ر فروری سنہ ۱۹۴۶ء

بیوی کے لکچر

دُنیا میں جہنّم

کون نہیں جانتا۔ کہ انسان کو دوزخ اور بہشت سے مرنے کے بعد ہی کام پڑتا ہے۔ اور کون جانتا ہے۔ کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ اور کیا نہیں ہوتا ہے۔ لیکن جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ یہ ایک مثل ہے۔ لیکن میں کہتا ہوں، کہ انسان کی زندگی میں ایک وقت ایسا آتا ہے۔ کہ جب وہ یا تو مکمل دوزخی ہو جاتا ہے یا بالکل جنتی۔ مگر جو لوگ بے انکس کے ہاتھی ہوتے ہیں۔ ان کے لئے سب برابر ہے۔ اور وہ بے فکر ہیں۔ لیکن جن لوگوں کو دنیا میں حقیقتاً آرام کی زندگی کی بھی ضرورت ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ کس طرح گھر میں دوزخ اور جنت بن جایا کرتی ہے۔ اور یہ کچھ ایک ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ ہر ایک

کو بھگتنا پڑتا ہے۔ نہ آپ پر کوئی الزام ہے۔ اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں۔ جو لوگ ایک آدھ ننھے میاں کے والدِ محترم ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ ارمان بھی ہوتا ہے۔ کہ کسی طرح ان کے ننھے میاں بڑھیں پلیں، پھلیں، پھولیں جوان ہوں۔ اور وہ جلدی سے اپنی آنکھوں سے ان کا سہرا بھی دیکھ لیں۔ اور اس کے بعد پھر فوراً ہی دوسرے ننھے میاں کی آمد کا انتظار کریں۔ زیادہ تر ان کی یہ خواہش ہوتی ہے۔ کہ کسی طرح ننھے میاں کی بیوی آتے ہی ایک نئے ننھے میاں کا مردم شماری میں اضافہ کریں۔ بہر حال ایسا تو نہیں ہوتا۔ لیکن دو ایک ننھے میاں ایک آدھ سال میں ضرور تولد ہو جاتے ہیں۔ اور پھر جب ذرا وہ ننھے میاں جوان جیسے ہو جاتے ہیں۔ تو ان پر ہر ایک کی نظر ہوتی ہے۔ کہ ان کی جوانی کیا گل کھلانے والی ہے۔ ننھے میاں کسے چاہتے ہیں۔ کہاں جاتے ہیں۔ بس ادھر ادھر تاک جھانک ہونے لگتی ہے۔ ذرا سا بھی کوئی مخاطب ہوا۔ نک سک گھر دوار روپیہ پیسہ دیکھا بھالا۔ جانے لگا۔ اور جب اچھی طرح چھان بین ہو جاتی ہے۔ تو ننھے میاں کے لئے ایک ننھی دلہن چھانٹ کر لائی جاتی ہے۔ ننھے میاں کو کچھ خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ والدین دور ہی سے سب طے کر لیتے ہیں۔ جیسے کہ یہ شادی ننھے میاں کی نہیں۔ بلکہ ان کے والدین دامتہ برکاتہ کی شادی ہوتی ہے۔ بھلا دیکھئے اتنی بڑی بات اور چٹکی بجاتے طے۔ پھر دو چار جاڑوں دو چار گرمیوں کے بعد ادھر کھیت کٹنے لگے۔ اور ادھر ننھے

میاں کی شادی کی تیاریاں شروع ہوگئیں ۔ اپنی کمائی جو کچھ کی تھی ۔ وہ تو تھی ہی کچھ قرض کچھ ادھر سے کچھ ادھر سے لے کر ننھے میاں کے سر ایک ننھی دُلہن منڈھ دی گئی اب اس سے کس کو کیا غرض کیا سروکار ۔ گھر دوزخ ہے ۔ یا جنت ۔ والدین تو اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ۔ چلئے فرصت ملی ۔

اس طرح ایک ننھے میاں کی شادی ایک لاڈلی بیگم کیساتھ کر دی گئی ننھے میاں کے والدین بڑی دھوم دھام اور چاؤ چوچلے سے بہو کو بیاہ کر لائے ۔ لیکن ایک ہی سال میں بہو نے وہ کھیل کھیلے کہ آفت آگئی ۔ بات بات میں ہوا سے لڑتی سسرال میں ہر چھوٹے بڑے سب کو اپنی جوتی کی نوک پر مار دیا ۔ ان کی نوچ اور ادائی نے گھر میں ہر ایک کے ناک میں دم کر دیا ۔ اٹھتے بیٹھتے نصیب کا رونا سوتے جاگتے ساس سسر کو برا بھلا کہنا اس کی عادت ہو گئی ۔ آخر کار ننھے میاں کے والدین مجبور ہو گئے ۔ اور ایک دن انہوں نے اپنے ننھے میاں سے کہہ دیا کہ بیٹا جئیو جاگو اور جہاں رہو خوش رہو جب کچھ ہمارے پاس ہے وہ تمہارا ہی ہے ۔ اور جو کچھ تم کماؤ ، کھاؤ اڑاؤ ۔ اب اچھا یہی ہوگا ۔ کہ تم اپنی ان مسمات کو کہیں اور اپنے ساتھ الگ رکھو ۔ جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا ۔ میں تمہیں دیتا رہونگا ۔ یہ ننھے میاں بیچارے کسی آفس میں ملازم تھے ۔ دفتروں میں جیسی ڈیوٹی ہوتی ہے ۔ وہ تو ہر ایک کو معلوم ہے ۔ دن بھر اندھے بیل کی

طرح ہل میں جُتے رہنا۔ اور شام کو بھی کچھ کام اگر باقی رہ جائے۔ تو گھر لے جا کر بارہ بجے رات تک ماتھا پچی کرنا۔ یہ ننھے میاں بھی اسی طرح دن بھر جتے رہتے۔ صبح نو بجے دفتر جاتے اور کبھی پانچ بجے اور کبھی چھ بجے شام کو گھر واپس آتے مگر اس پر بھی ننھے میاں کی ننھی دلہن کا ٹمپریچر کبھی نارمل نہ رہا۔ ننھے میاں بالکل اللہ میاں کی گائے تھے۔ لڑائی دنگا تو درکنار کبھی ان سے کسی سے تُو تُو میں میں بھی نہ ہوئی تھی۔ گھر گرہستی کے معاملات میں بھی بالکل کورے تھے۔ یہ بھی ایک مصیبت تھی۔ جو اُن کے سر پر آ پڑی تھی۔ بیوی کی یہ عالت۔ کہ اگر نوکر بھی بھول کرے۔ تو ننھے میاں کی جان پر بنتی باورچی سے کچھ نہ بن پڑے تو اس کی بھی موت۔ بیچارے یہ ننھے میاں ایک عجیب جنجال میں پھنس گئے تھے۔ مہینہ ختم ہوتے ہی بیوی کے سامنے اپنی پوری تنخواہ اس طرح لا کر رکھ دیتے۔ جیسے مہاتما گاندھی کو پبلک کی طرف سے تھیلی پیش کی جائے۔ لیکن بیوی پھر بھی کتے کی دم کی طرح ٹیڑھی ہی بنی رہتی۔ آہستہ آہستہ یہ جھگڑے ایسے بڑھے کہ سائمن کمیشن کی ضرورت پڑ گئی۔ ننھے میاں نے تو بہت چاہا۔ کہ یہ جھگڑے کسی طرح آپس میں ختم ہو جائیں۔ لیکن اس بیچارے کے کئے کیا ہوتا۔ بیوی صاحبہ تو پیٹھ پر ہاتھ ہی نہ رکھنے دیتی تھیں۔

ایک دن ننھے میاں ذرا دفتر سے دیر میں آئے کام بہت تھا۔ آٹھ بجے گھر پہنچے پھر کیا تھا بیوی تو پہلے ہی سے ای۔ آئی۔ آر کا انجن بنی بیٹھی تھیں۔ دیکھتے ہی بک بک کرنے لگیں ننھے میاں کا ایک پاؤں چوکھٹ کے باہر تھا اور ایک اندر کہ ادھر سے بیوی کے لکچر شروع ہو گئے۔

دفتر سے واپسی پر

مَیں بھلا تم سے پوچھتی ہوں۔ کہ آہستہ آہستہ یونہی تم دیر سے رات گئے آیا کرو گے۔ تو میرا جینا کیسے ہوگا۔ آپ کے دروازہ پر کوئی چوکی پہرہ تو لگا نہیں ہے۔ اور نہ آپ کے پاس اتنا روپیہ ہے۔ کہ کسی چوکیدار کو نوکر رکھ سکیں۔ بس ایک دن کوئی بھلا بُرا مکان میں گھس آئے گا۔ اور یہ ٹوٹا پھوٹا گھر گرہستی کا سامان ہے۔ لے کر چلتا ہوگا۔ اور میرا بھی گلا گھونٹ دے گا۔ آپ کا کیا جائیگا۔ آپ تو یہی چاہتے ہی ہیں۔ جس کی جان جائیگی اس کی جائے گی آپ کی بلا سے۔ بہت کرو گے۔ دو چار دن رو لو گے۔ پھر عمر بھر کون کس کو رویا کرتا ہے۔ اور کون کسے یاد کرتا ہے۔ اور پھر آپ کے اچھے اماں ابّا کے سر سے بھی ایک بلا ٹل جائے گی۔ گھی کے چراغ جلیں گے۔ کیونکہ وہ تو منا تے ہی ہونگے۔ رہے آپ سو آپ کو بھی میری ہی جیسی کوئی نصیبوں جلی دوسری مل جائیگی۔ مگر میاں منہ دھو رکھو۔ کوئی بات بھی نہ پوچھے گا۔ کہ کس کھیت کی مولی ہو۔ باپ رے باپ پہاڑ سا دن بیتا۔ شام ہوئی۔ چار بجے، پانچ بجے اور اب رات کے

آٹھ بجتے ہیں - اتنے بڑے گھر میں رہیں اکیلی - ہائے کیا کوئی مرد ایسا بھی ہوگا - جیسے تم ہو -

تم کہتے ہو - باہر کریم رہتا ہے - اور اندر شبراتن - ٹھیک ہے - مگر یہ بھی دیکھا - کہ کریم کو دن میں بھی سوجھائی نہیں دیتا - جب چلتے ہیں - تو سامنے کی چیز نہیں نظر آتی - بیٹھتے ہیں - تو جیسے افیون کے پینک میں ہیں اسے تو خبر بھی نہ ہوگی - کہ کب مکان میں چور داخل ہوا - اچک کر ایک مٹھی سے اس کا گلا دبا دے گا - پھر ایک کو دو - دو کو چار بہت کافی ہوتے ہیں - اب رہ گئی ہوئی شبراتن - تو اس سے تو میری توبہ ہے - دن میں سو بار تو وہ کمبخت اپنے گھر کے چکر لگاتی ہے اور خدا جانے کہاں کہاں جاتی ہے کونسے اس کے دوست یار ہیں - جن سے وہ ملنے جاتی ہے - اس کو بھلا پرائے گھر کی کیا پروا - اگر اس کے سامنے بھرا گھی کا گھڑا ڈھلک جائے - تو بھی اس کو پروا نہ ہوگی - گالوں میں پان بھرے چمک چمک کر چلتی ہے - ابھی کل ہی کی بات ہے - کہ بلّی نے دودھ کی ہانڈی گرادی - لیکن اس بندی نے منہ سے بل نہ کیا - اور کیوں کرتی کیا وہ چوکیدار ہے - وہ تو صرف کھانا بنانے کی نوکری کرتی ہے - جلی بھنی روٹیاں بے نمک ساگ، سالن بھاجی - اور آدھ پکی دال پکانا اس کا کام

ہے۔اس کی جوتی کو۔کیا غرض۔کہ وہ میرے پاس بیٹھے۔چاہیے کوئی لوٹ لے جائے۔چاہے کوئی مار ڈالے شبراتن کی بلا سے۔اس کی جوتی سے۔اور پھر جب خود تمہیں کچھ پرواہ نہیں۔تو دوسرے کو کیا غرض۔جو اپنی نیند حرام کرے۔اپنا گھر چھوڑے۔اور پھر تم کس کو سونے کے ٹکے دیتے ہو۔کہ وہ اتنی پرواہ کرے۔

تمہیں معلوم تھا۔کہ مجھے کئی روز سے زکام تھا۔درد کی شدت سے سر پھٹا جا رہا ہے۔کھانسی الگ ستا رہی ہے۔مگر کہوں تو کس سے کہوں تم کو کیا پرواہ۔جب تم دفتر سے آٹھ بجے رات کو آؤ گے۔تو بھلا میری دوا دارو کیا خاک ہوگی۔آج چار پانچ روز ہو چکے ہیں۔رات ایک پل کو بھی نیند نہیں آئی۔سینہ بالکل جکڑا سا معلوم ہوتا ہے کھانستے کھانستے دم گھٹنے لگتا ہے۔محلہ والوں کی نیند حرام ہو جاتی ہوگی۔مگر تمہیں کیا فکر ایک دن اسی طرح کچھ اور کا طور ہو جائے گا۔تم کو خبر بھی نہ ہوگی۔نگوڑ ماری دوا بھی ایک ہی خوراک تمہاری گھڑی سے وقت دیکھ کر کھا لیا تھا۔پھر اس وقت سے اب تک دوا نصیب نہ ہوئی اور نصیب بھی کیا ہوتی۔گھڑی تو تمہاری کلائی کی زینت بنی تھی۔یہی وقت کس طرح معلوم کرتی۔بڑا کلاک موا نہ جانے کیا کیا بجایا کرتا ہے۔کبھی نو بجا دیتا ہے۔کبھی بارہ بجا دیتا ہے۔سوچتی تھی کہ

جب تم چار بجے دفتر سے آؤ گے۔ دوسری خوراک بھی کھالوں گی مگر تم بھلا آٹھ بجے سے پہلے کیوں آنے لگے۔ اس کا وقت بھی نکل گیا۔ اور دوا کی شیشی بھی ہوا کے جھونکے سے طاق سے گر کر چکنا چور ہو گئی۔ گھر میں دیکھو۔ تو اندھیرا گھپ جان ہی تو سوکھ گئی۔ کیونکہ سویرے ہی تو چوہوں نے چمنی گرا کر چور کر دی تھی۔ تم سے یہ نہ ہو سکا۔ کہ جب اتنی دیر میں گھر آئے تھے۔ تو ایک چوہے دان ہی خریدتے لاتے۔ لالٹین کی بتی بھی رات کو آفت کے وقت جواب دے چکی تھی۔ تم دفتر سے رات کو آٹھ بجے آئے۔ اب بھلا لیمپ کی چمنی کون خرید کر لاتا اور بتی کون ٹھیک کرے، کریم اپاہج شرارتن سے مطلب نہیں، تم دفتر میں۔ مَیں نے تو عمر بھر ایسا کام کبھی نہیں کیا تھا۔ مَیں کیا جانوں نگوڑی بتی کیسے درست کی جاتی ہے۔ میرے باپ کے یہاں ایک دو نہیں، بیسیوں ملازم ماما ئیں اور پھر ان کے مکان کے ہر ہر گوشہ میں بجلی، ذری سی بٹن دبایا۔ اور سارا گھر جگمگا اٹھا۔ مَیں بھلا مٹی کے تیل اور تیل بتی کو کیا جانوں۔ مَیں یہ کب کہتی ہوں۔ کہ تمہارے مکان میں بھی بجلی لگ جائے۔ تم تو چھینکتے ناک کاٹنے دوڑتے ہو۔ بولنا بھی آفت ہے۔ اب تو اندھیرے گھپ میں رات بھر پڑے رہو۔ چاہے خدانخواستہ سانپ ڈس جائے۔ چاہے بچھو کاٹ

جائے۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ تم عقل کے دشمن کیوں ہو۔ اب بازاروں میں کیا رکھا ہوگا۔ کہیں اتنی اتنی دیر تک دوکانیں کھلی رہتی ہیں۔ کچھ پتہ بھی ہے۔ اس وقت رات کے اب ساڑھے ۱۱ سے زیادہ بجنے والے ہیں۔ اب صبح سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ نوکری سبھی کرتے ہیں۔ دفتر بھی لوگ جاتے ہیں۔ اپنا کام بھی کرتے ہیں۔ مگر جب سب لوگ دفتر سے آٹھ نو بجے رات واپس ہوں۔ تو پھر گھر کا کام کاج کیسے چلے۔ اور پھر حالت آپ کی یہ ہے۔ کہ آپ کے دفتر میں چوکیدار دن تک کی تنخواہوں میں اضافہ ہو گیا۔ مگر تم آٹھ نو بجے تک دفتر میں مرتے رہتے ہو۔ اور پھر بھی ویسے کے ویسے دکھائی دیتے ہو۔ تمہیں معلوم ہے۔ کہ میں گھر میں اکیلی رہتی ہوں۔ مگر پھر بھی کچھ نہیں سمجھتے۔ بس یہ جانتے ہو۔ اور اپنے دل میں کہتے ہو گے کہ گھر میں ایک جانور پال لیا ہے۔ اسے جس طرح چاہیں رکھیں۔ دن بھر گھر کا کام لیں۔ اور رات بھر اندھیرے گپ میں پڑی رہے۔ گھر کی رکھوالی کرے۔

اب کھانا وغیرہ کیسے نکالوں۔ اندھیرے میں کچھ سوجھائی دیتا ہے؟ برتن الگ جھوٹے پڑے ہیں۔ کڑوے تیل کا دیا خود اپنا منہ دیکھ رہا ہے۔ اور کہو گے۔ کہ کھانا ٹھنڈا ہو گیا۔ جب تم اتنی رات کو گھر آؤ گے

تو کھانا ٹھنڈا نہیں کیا گرم رہے گا۔ ساری چیز مٹی ہوگئی ہے۔ ہے ہے یہ بریانی تو بالکل ہی پالا ہوگئی ؟ اب بتاؤ اس میں کیا مزا ملے گا مگر میرے بکنے سے کیا ہوگا۔ میں ہزار چاہوں۔ کہ تمہیں مزیدار کھانا ملے۔ تو میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم بھلا دفتر سے آٹھ بجے سے پہلے کیوں آنے لگے۔ اور آج آٹھ بجے آئے ہو۔ کل کو دس بجے آؤ گے۔ جیسے آٹھ بجے ویسے دس بجے۔ آج تو خیر ٹھنڈا کھانا بھی مل گیا۔ کل جب دس بجے آؤ گے۔ تو یہ ٹھنڈا کھانا بھی نہ ملے گا۔ بھلا چوہے بلیاں اُسے کیوں چھوڑنے لگیں۔ دس بجے رات تک کون تاکتا رہے گا۔ آدمی ہی ہوں۔ آنکھ لگ جانا اتنی گئے رات کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

یہ کیا ہے۔ ارے کمبخت شبراتن خدا تیرا بُرا کرے۔ راستہ ہی میں میلے کپڑوں کی گٹھڑی ڈال دی۔ یہ کپڑے بھی کمبخت ایک ہفتہ سے میلے بندھے پڑے ہیں۔ تن کے کپڑے بھی چیکٹ ہوگئے۔ تمام بدن سے بُو آتی ہے۔ مگر تم دفتر سے آٹھ بجے سے پہلے کیوں آؤ گے۔ جو کسی اور دھوبی کی فکر کرو۔ اور یہ میلے کپڑے دُھلنے جائیں۔ کمبخت درزی کے یہاں جو کپڑے سلنے گئے ہیں۔ وہ آج آتے ہیں نہ کل۔ اس کی دوکان پر دس چکر کرو۔ تو شاید جلدی کپڑے دے دیں۔ چار قمیص دو پاجامے دئے ہوئے آج جمعہ جمعہ آٹھ سنیچر نو اتوار دس پیر گیارہ منگل بارہ بدھ تیرہ جمعرات چودہ

غضب خدا کا۔ آج آدھا مہینہ ہوگیا۔ مگر اُس نے کروٹ نہ لی۔ اور نہ تمہیں فرصت کہ اس کی خبر لیتے۔ بھلا درزی کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ کپڑے رکھے رکھے وہیں ہضم ہو جائیں گے۔ اور یہ میلے کچیلے کپڑے بدن ہی پہ ختم ہو جائیں گے۔ جتنے میلے کپڑے ہونگے۔ اتنی ہی اسکی زندگی کم ہوتی جائیگی کیا کہتے ہو۔ کہ گھر میں کپڑے اور بھی تو ہیں۔ ہاں۔ ہیں مگر میں کہتی ہوں۔ کہ تمہاری عقل ماری گئی ہے۔ وہ کپڑے روز روز کے پہننے کے نہیں۔ ہیں۔ اگر انہیں کو پہن ڈالوں گی۔ تو کل کسی شادی بیاہ کی تقریب میں جانے کے لئے کیا کپڑے بھی کسی سے بھیک مانگوں گی۔ اور پھر یا تو منہ چھپاؤں اور یا قرض لے کر نئے کپڑے بنواؤں۔ یہی چاہتے ہو نا۔ دو چار جوڑے اگر بکس میں وقت بے وقت کے لئے پڑے رہیں گے۔ تو ہرج ہی کیا ہوگا۔ تمہاری ہی عزت و آبرو کے وقت کام آئیں گے۔ میرا کیا بگڑتا ہے میں تو ایسے ایسے نہ جانے کتنے جوڑے پہن چکی ہوں۔

اُوئی توبہ یا میرے اللہ۔ تمہاری باتیں تو میری سمجھ میں نہیں آتیں۔ بھلا میں اکیلی سارا گھر کس طرح سنبھالوں۔ دو نوکر۔ ایک اپاہج دوسری فیشن ایبل۔ نہ کسی کام کی نہ دھندے کی۔ ادھر دروازہ پر تمہارے دوستوں کی لینڈ وری بندھی رہتی ہے۔ ایک آتا ہے۔ ایک جاتا ہے۔ پکار پکار کر ناک میں دم کر دیتے ہیں۔ اب تم ہی بتاؤ۔ ان کے ساتھ

کوئی کہاں تک پہنچے - ان بھلے آدمیوں کو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا - کہ اگر کوئی گھر میں ہوتا - تو بولتا ہی ، کہنے کے لئے یہ ذرا ذرا سی باتیں ہیں - مگر جسے بھگتنا پڑتا ہے - وہی جانتا ہے - تم آٹھ بجے رات کو دفتر سے آتے ہو - آخر کون ان سے باتیں کرے - کون مہمان نوازی کرے - چلا چلا کر چلے جاتے ہیں - میں عورت ذات ٹھہری - ایک وہ شرا تن ہے کہ کچا پکا کھانا پکا کر غائب ہو جاتی ہے - کریم بالکل نکما، تمہارے پاس فالتو روپیہ ہے - تم اسے تنخواہ کیا پنشن دے رہے ہو - دیتے جاؤ - میرا بس چلے تو میں ایک منٹ میں اسے نکال باہر کر دوں - مگر کیا کروں جب یہ دیکھتی ہوں - کہ تم آٹھ آٹھ بجے رات کو آتے ہو - تو اسی کو غنیمت سمجھتی ہوں - کیا کروں - اس آفت میں یہی ایک آڑ سہی -

تم کو کیوں اس بات کی خبر ہو گی - کہ نذیر بھائی کے لڑکے کا کل شام کو نوشدن ہے - پندرہ دن قبل سے دعوت نامہ آ چکا ہے - مگر کس سے بتاتی اور کب بتاتی - تمہیں دفتر سے آٹھ بجے سے قبل فرصت نہیں ملتی - تم دفتر سے آٹھ بجے رات کو آتے ہو - جب ساری دنیا کے سونے کا وقت ہوتا ہے آنکھوں میں نیند ہوتی ہے - پھر بات چیت کرنے کی کسے یاد رہتی ہے - بھلا بتاؤ تو سان کے یہاں جانا ضروری ہے - کہ نہیں - مگر تمہارا تو یہ حال ہے - کہ آٹھ بجے رات کو گھر پر آتے ہو - صلاح مشورہ کرنے کا کوئی وقت

نہیں ہوتا۔ بس اب یہی ہوگا۔ کہ تمہارے یہاں بھی کبھی کوئی نہ آئیگا۔ ٹرٹروں ٹوں الگ تھلگ پڑے رہو گے۔ اپنے پرائے سب چھٹ جائینگے کوئی کب تک خیال کرے گا۔ کہ آپ اُن کے عزیز ہیں۔ اور کسی کو کیا خبر کہ آپ دفتر سے آٹھ بجے رات کو آتے ہیں۔ اندھیر نہیں تو اور کیا ہے دفتر کے چپڑاسی تک چار بجے اپنے اپنے گھر کی راہ لیتے ہیں۔ اور اپنے بال بچوں سے مل جلتے ہیں۔ اور تم ہیڈ کلرک ہو کر رات کے آٹھ بجے آتے ہو۔ جیسے دفتر کی ساری ذمہ داری تمہارے ہی اوپر ہے۔

سارا جاڑا ختم ہو گیا۔ نہ میتھی کی کھچڑی کسی دن پکی۔ اور نہ گاجر کا حلوا بن سکا۔ جب خود تمہیں کو پروا نہیں۔ تو رات کے آٹھ بجے دفتر سے آؤ گے۔ تو بازار کون جائے گا۔ نصیب کی بات ہے۔ میں نے کہا تھا۔ کہ گھر میں گھی بالکل نہیں ہے۔ تمہیں کیا پروا۔ اب بتاؤ ترکاری کس چیز سے پکائی جائے۔ دال کاہے سے بگھرے شکر بھی ختم ہو گی۔ چاء کیسے بنے گی۔ اگر خیال کرتے تو جلدی آتے۔ تم یہی سمجھتے ہو۔ کہ میں اکیلے سب اپنے پیٹ میں بھر لیتی ہوں۔ اور میں کہتی ہوں۔ کہ خواہ میں چیختے چیختے مر جاؤں۔ مگر کوئی پروا نہیں کرتا۔۔۔۔ ڈاک پر ڈاک چلی آتی، میز پر خطوط کا انبار لگا ہوا ہے۔ میں کہتی ہوں۔ کون جواب دے۔ جو میرے جواب دینے والے تھے۔ ان کا جواب میں نے دے دیا۔ مگر اور خطوط کے جوابات

کون دے۔ جب تم آٹھ بجے رات میں دفتر سے آؤ گے۔ تو کیا ڈاکخانہ والے تمہارے نوکر ہیں۔ کہ تمہارا انتظار کرتے رہیں گے۔ کہ آپ کارڈ لفافے خریدنے آتے ہیں۔ یا کسی کو خریدنے کے لئے بھیج رہے ہیں۔ اور ڈاکخانہ بھی کیا آپ کا دفتر ہے۔ کہ رات کے آٹھ بجے تک کھلا رہے گا۔ نہ تم دفتر سے صحیح وقت پر آؤ گے نہ خطوط کے جوابات دئے جا سکیں گے اب بولتے کیوں نہیں۔ کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ واہ یہ اچھا طریقہ ہے میں پاگل کی طرح بکتی رہوں۔ اور تم پتھر کی طرح سب کچھ سنتے رہو۔ اس کان سے سنو۔ اور اس کان سے اڑا دو۔ تم کہتے ہو گے۔ کہ بھونکتی ہو گی کتیا۔ اچھا چلو میں بھی اب نہ بولوں گی۔ تم جانو تمہارا کام جانے جب چاہو۔ دفتر سے آؤ۔

ریڈیو کے متعلق

مَیں کہتی ہوں۔ کہ یہ تم کو کیا ہو گیا ہے۔ جس چیز کے پیچھے پڑ گئے بس پڑ گئے۔ اور جو کوئی کچھ کہے۔ تو ناک بھوں چڑھاتے ہو۔ منہ بناتے ہو۔ اور ہر ایک کو جاہل کہتے ہو۔ لیکن کبھی یہ نہیں سوچتے۔ کہ یہ آخر تم کیا کیا کرتے ہو۔ جب سے یہ ریڈیو لائے ہو۔ سونا حرام کر دیا ہے۔ جب دیکھو۔ اسی کو لئے بیٹھے ہو۔ نہ کوئی کام ہے۔ اور نہ اور کسی کی کچھ سُنتے ہو ایک تو مَیں کتنا کتنا چیختی رہی۔ کہ دیکھو ابھی ریڈیو نہ لاؤ۔ مگر تم نے ایک نہ سُنی۔ سینکڑوں روپیہ لگا دیا۔ اور ایک ریڈیو اُٹھا لائے۔ مجھے دیکھو کہ مَیں ایک ایک پیسہ کی کفایت کرتی رہتی ہوں۔ اور پھونک پھونک کر قدم اُٹھاتی ہوں اور یہ خیال کرتی رہتی ہوں۔ کہ کہیں کوئی پیسہ بیجا نہ خرچ ہو جائے۔ اور تم ہو۔ کہ ایک ایک مرتبہ ہی مٹھی بھر روپیہ خرچ کر دیتے ہو۔ بھلا اس طرح گھر کیسے بن سکتا ہے۔ مَیں سمجھتی ہوں۔ کہ ریڈیو ایک تمہاری ہی دلچسپی کی چیز کہ نہیں۔ گھر کے سبھی لوگ سُنیں گے

اور دل بہلائیں گے۔ مگر میں تو یہ کہتی ہوں۔ کہ اگر ابھی یہ روپیہ نہ خرچ کرتے اور یہ ریڈیو نہ لاتے۔ تو کیا ہرج ہوتا۔ اور کونسی دلچسپی ختم ہو جاتی۔ روزانہ سینما جاتے ہو۔ تھیٹر دیکھتے ہو۔ ناچ گانا سنتے ہو۔ سیر تفریح کرتے ہو۔ اور بیسوں تماشے دیکھتے ہو۔ ایک یہی کمبخت دلچسپی رہ گئی تھی وہ بھی لے آئے۔ میں یہ کب کہتی ہوں۔ کہ یہ کوئی بری چیز ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔ گھر بیٹھے ہزاروں قسم کے گانے ڈرامے اور خدا جانے کیا کیا سُنے جائیں گے۔ مقصد تو میرے کہنے کا یہ تھا۔ کہ یہ فی الحال ایک فضول خرچی سے زیادہ نہیں ہے۔ تم نے بیٹھے بٹھائے ایک مرتبہ میں چار سو روپیہ خرچ کر دیا۔ اور یہاں یہ ریڈیو لگا رکھا ہے۔ اس مکان کی کوئی خبر نہیں۔ اگر اتنا ہی روپیہ مکان میں لگا دیتے۔ تو ایک اچھا خاصہ کمرہ بن جاتا۔ کیا یہ کوئی بُرائی کی بات تھی۔ اور مجھے کیا کرنا ہے۔ تمہیں کو سب سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے۔ جب کوئی تمہارے دوست احباب آ جاتے ہیں۔ تو بغلیں جھانکتے پھرتے ہو کہ اب انہیں کہاں بٹھایا جائے۔ پھر اُس وقت یہ ہوتا ہے۔ کہ میں تو گھر کا سارا کام کاج بند کر کے بند ہو جاتی ہوں۔ اور تمہارے دوست احباب کے لئے جگہ بنانا پڑتی ہے۔ مگر روز روز یہ کیسے بنے گا۔ اور ایسے کیسے کام چلے گا۔ تم ہی جانو۔ کہ جب گھر میں دو چار عورتیں آ جاتی ہیں۔ تو تم ہی کو کتنی تکلیف ہوتی ہے۔ چاروں طرف اِدھر اُدھر

مارے مارے پھرتے ہو۔ خدا رکھے خرچ ہوتا ہے۔ تو یوں ہوتا ہے۔ کہ چار سو روپیہ یک جا خرچ کر دیا۔ اور ریڈیو سٹ اٹھا لائے۔ کتنی شرم اس وقت معلوم ہوتی ہے۔ کہ گھر میں ایک کمرہ بھی تو ایسا نہیں ہے۔ کہ کسی کو بٹھایا جا سکے۔ گھر میں جتنی کرسیاں ہیں۔ وہ ادھر ادھر ماری ماری پھرتی ہیں۔ کوئی باورچی خانہ میں پڑی ہے۔ کوئی سنڈاس کے پاس پڑی ہے۔ کوئی کہاں رکھے۔ کوئی الگ کمرہ ہوتا۔ تو اسے بھی ذرا رکھا جاتا۔ مگر تم کہاں سنتے ہو۔ کس سے کہوں۔ میرا تو جی گھبرا گیا۔ روز روز ایک ایک بات کو کوئی کہاں تک تمہارے دل میں اتارتا رہے۔ گھر کا کام تو اس طرح چلتا ہے۔ کہ کوئی بات میں سوچوں۔ کوئی بات تم سوچو۔ تم تو سوچنے سے پہلے خرچ کرنے پر تیار ہو جاتے ہو۔ اور خرچ بھی بیکار۔ میں کہتی ہوں۔ کہ اگر یہ ریڈیو سٹ ابھی نہ لاتے۔ تو کونسا حرج ہو جاتا۔ اور وہ کونسی ایسی دلچسپی ہوتی۔ کہ جو چھوٹ جاتی۔ اور اگر گھر میں ایک کمرہ بناتے تو شاید دو سو روپیہ سے زیادہ نہ لگتے۔ اور بیٹھنے اٹھنے کا ایک قرینہ ہو جاتا۔ کوئی آ جاتا تو اسے بٹھا سکتے۔ جیسے چار شریف انسانوں کا کام ہوتا ہے۔ اب جاؤ وہ دیکھو۔ کوئی پکار رہا ہے۔ وہی کوئی تمہارے دوستوں میں سے ہوگا۔ چلئے وہ بھی گھنٹہ بھر سے پہلے یہاں سے جائیں گے نہیں۔ اور دو گھنٹہ تک گھر کا سارا کام دھام بند رہے گا۔ اسی سے تو میں چیختی تھی۔ کہ اب وقت

آگیا ہے۔ دو چار سو روپیہ مکان میں لگا دیا جائے۔ اور ایک کمرہ قرینے کا بنا لیا جائے مگر تمہیں کوئی فکر ہی نہیں ایک اکیلے میرے چیخنے سے کیا ہوتا ہے۔ یہی دیکھو۔ کہ جب سے ریڈیو گھر میں آیا ہے۔ ہر وقت بیٹھے ہوئے پون پان لگائے رہتے ہو۔ دن ہے تو ریڈیو بجا رہے ہو۔ رات ہے۔ تو ریڈیو بجا رہے ہو۔ ساری دنیا سو رہی ہے۔ اور تم ہو۔ کہ سوئی گھما رہے ہو۔ اور پھر چیخ پکار نہ کوئی بجائے بجے۔ نہ تمہیں ٹھیک سے بجانا آئے۔ بیکار بیکار اپنا وقت خراب کرتے ہو۔ اور دوسرے لوگوں کو بھی پریشان کرتے ہو۔ اب یہی دیکھو۔ کہ مَیں گھنٹوں سے دیکھ رہی ہوں۔ کہ سارے زمانہ میں ریڈیو بند ہو گئے ہونگے۔ مگر تم ہو۔ کہ بیٹھے ہوئے مشق کر رہے ہو۔ ایک چھوٹے سے بچے کی طرح کوئی تمہیں کہاں تک سمجھائے۔ مَیں کہتی ہوں۔ کہ یہ وقت سونے کا ہے۔ خود بھی سو رہو۔ دوسروں کو بھی سونے دو۔ صبح ہو گی تو دیکھا جائے گا۔ مگر تمہیں نہ جانے کیا ہو گیا۔ اور نہ جانے اس کے اندر کیا رکھا ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ کہ لکھنؤ میں بھی ایک ریڈیو اسٹیشن ہے مگر پھر میں کیا کروں۔ مَیں نے تو ایک آدھ مرتبہ ہمسائی کے ریڈیو پر لکھنؤ کو بھی سُنا ہے۔ مجھے تو بالکل پسند نہیں آیا۔ تم اپنا شوق پورا کرتے ہو۔ اور جو جی میں آتا ہے۔ کر گزرتے ہو۔ نہ یہ دیکھتے ہو۔ کہ کیا فائدہ

نقصان ہوگا - اور نہ یہ دیکھتے ہو - کہ گھر کی اور کتنی ضرورتیں پڑی ہوئی ہیں۔
غضب خدا کا مٹھی بھر روپیہ ریڈیو میں لگا دیا - آج تم بیٹھے بجا رہے ہو -
کل کو یہ لڑکے اسی طرح بجائیں گے اور دو چار روز میں چار سو روپیہ
پسپا فی پڑ جائے گا - انہیں کون روک سکے گا - یا کون کسی کو ہر روز تاکتا
رہے گا - چلو پھر دس بیس روپیہ اس کی مرمت میں لگانا پڑے گا - جیب
کھیل تماشے کی طرح تمہیں نے اس کو بنا لیا ہے - تو یہ تو بچے ہیں - ان کو
اتنی سمجھ کہاں سے آئی - وہ تو یہ دیکھتے ہیں - کہ یہ بجایا جاتا ہے - اور وہ یہ
سمجھتے ہیں - کہ یہ تو ایک باجا ہے - چلو بھئی اس کو بجاؤ - میں تو کبھی بھی
نہ روکوں گی - اور میں کیوں اُن کے دل کو توڑنے لگی - جب تم اچھے خاصے
آدمی ہو کر نہ سمجھے اور اُٹھا کر چار سو روپیہ ریڈیو خریدنے میں جھونک دیا -
تو بھلا میں کہاں تک سوچتی رہوں گی - اُف، آدمی ایسا بھی بے کہے کا
ہوتا ہے جس کے دل میں اتنی بات بھی نہیں سماتی - آدمی اپنے اچھے
بُرے کو دیکھتا ہے - گو تمہاری سمجھ ہی میں اچھائی بُرائی نہیں آتی - تو پھر
کسی دوسرے کو کیا کہا جائے - میں سوچ رہی تھی - کہ اب کے جاڑے
میں منو میاں کا عقیقہ کروں گی - اور اس وقت پہلا پہلا کام ہے اپنے
عزیزوں کو بلاؤں گی - یہ کروں گی - وہ کروں گی - اب کیا خاک کروں گی
چار سو روپیہ تو آپ نے اپنے ریڈیو میں لگا دیا - کچھ نہ ہو - تو بھی دو یا تین

سو روپیہ تو ضرور ہی خرچ ہونگے۔ مکان کی فکر الگ تھی۔ کہ بن جائے۔ بلا سے یہ چار سو روپے مکان ہی میں لگ جاتے۔ تو چین پڑ جاتا۔ لیکن تم نے تو تھوڑی سی دلچسپی کے لئے سارا کام بگاڑ دیا۔ پورا جاڑا ختم ہو گیا۔ اور میں اپنے لئے ایک کوٹ نہ بنوا سکی۔ کیونکہ محض کپڑے کے خریدنے میں پچاس روپیہ صرف ہوتے تھے۔ اور پچیس تیس روپیہ اس کی سلائی میں صرف ہوتے۔ یہ سوچکر اس وقت ڈیڑھ سو روپیہ یکبارگی خرچ کرنا مناسب نہیں ہے۔ اپنا دل دبا کر رہ گئی۔ مگر تم ہو۔ کہ چار چار سو روپیہ یکبارگی اٹھا کر خرچ کر دیتے ہو۔ نہ آگا پیچھا سوچتے ہو۔ نہ برائی بھلائی پہچانتے ہو۔ ایک میں اکیلی کیا کر سکتی ہوں۔ گھر ایک آدمی کے بنانے سے نہیں بنا کرتا ہے۔ اور نہ دنیا میں اس طرح گھر بنا کرتا ہے۔ کہ ایک تو جان کھپا کھپا کر پیسہ بچا کر رکھے۔ اور دوسرا چار چار سو خرچ کر دے۔ غضب خدا کا۔ ہر چیز کے لئے اپنا دل مارتی رہتی ہوں۔ اور یہ چاہتی ہوں۔ کہ ایسا کام نہ کروں۔ کہ جس میں سو پچاس فضول خرچ ہو جائیں مگر ایک میرے بچانے سے کیا ہوتا ہے۔ میں ایک پیسہ بچاؤں گی۔ تم دس پیسہ کی جگہ دس روپیہ خرچ کر دوگے۔ توبہ توبہ۔ میری تو جان عذاب میں پڑ گئی ہے۔ میں ہی جانتی ہوں کہ کس مصیبت سے گھر کا خرچ چلاتی ہوں۔ اور کیسے پورا کرتی ہوں۔ ماشاء اللہ سے دو بچے دن میں دو چار آنے ضرور خرچ

کرتے ہیں۔ ان کو تو کوئی روک بھی نہیں سکتا ہے۔ ادھر یہ کہ محلہ میں کوئی چیز بکنے آجائے۔ چار لڑکے خریدنے لگیں۔ تو یہ لڑکے منہ دیکھا کریں۔ اور میں یہ بھی کرتی۔ مگر جب یہ دیکھتی ہوں۔ کہ خود تم کو خیال نہیں ہے۔ جو کچھ کما کر لاتے ہو۔ چاہتے ہو۔ کہ اس کو ایک ہی مرتبہ میں خرچ کر کے اڑا دو تو میں ان بچوں کا دل کیوں ماروں اب کیا دو چار پیسے کے لئے یہ بچے دوسروں کا منہ تکتے رہیں۔ نوج میں ایسا کروں۔ جن بچوں کو اتنے پیار دُلار سے پال کر پرورش کروں۔ ان پر اتنی پابندی لگاؤں۔ کہ چار پیسے بھی روزانہ نہ خرچ کریں۔ میں بھلا اتنی سنگ دلی کہاں سے پیدا کر سکتی ہوں۔ ہاں یہ تو تم کر سکتے ہو۔ کہ چار سو روپیہ کا آج ریڈیو خرید لائے۔ کل ہارمونیم لائے۔ گراموفون لائے۔ اور روزانہ اسی طرح سینکڑوں روپیہ خرچ کرتے رہو۔ اور یہ بچے چار پیسے کے لئے منہ دیکھتے رہیں۔ جب اتنے بڑے ہو کر اپنا ہاتھ نہیں روک سکتے۔ تو نا سمجھ بھلا کیسے اپنا ہاتھ روک سکتے ہیں۔ اور نہ میں ہی یہ کر سکتی ہوں۔ ہاں میں جانتی ہوں۔ کہ یہ سب کچھ تمہارا ہی پیدا کیا ہوا ہے۔ تمہیں اس کا پورا حق ہے۔ لیکن جناب مجھے تو یہی تو کچھ حق ہے۔ تم چار سو روپیہ خرچ کرتے ہو۔ اچھا دیکھو کل سے میں بھی اسی طرح الٹے تلّلے کیا کرونگی۔ جو جی میں آئے گا۔ خرید لیا کرونگی۔ سچ کہتی ہوں کہ اس کی ذرا بھی پروا نہ کرونگی۔ کہ یہ فضول خرچی ہے

یا کیا آخر میں بھی تو دل رکھتی ہوں۔ میرا بھی تو جی چاہتا ہے۔ کہ روز ایک نئی ساری پہنوں۔ اور ہر رنگ کی ساری کے ساتھ اس کے میل کا جمپر ہو۔ اور اس کے میل کا جوتا ہو۔ ویسا ہی رومال ہو۔ اسی قسم کے ان کپڑوں پر سجنے والے زیور ہوں۔ کبھی سوچا ہوتا۔ کہ اپنے ہی لئے خرچ کرنا جانتے ہو۔ یا اور کسی کا بھی تم کو خیال رہتا ہے۔ اچھا چلو بہت اچھا کیا۔ کہ اپنے شوق کی چیز ریڈیو خرید لائے۔ تمہیں ہمارے وہ بندے یاد ہیں۔ اور نکلس جس کو شاید اب چار مہینے ہونے چاہتے ہیں۔ کہ اس لئے پڑا ہوا ہے۔ کہ اس میں دو تولہ سونا اور ملا دیا جائے۔ تو ذرا اور وزنی ہو جائے اور اس کی زنجیر معلوم ہونے لگے۔ بندے محض اس لئے پڑے ہیں۔ کہ کوئی وہاں تک جا نہیں سکا۔ یہی تو کہتی ہوں۔ اور اسی سے تو میرے تن بدن میں آگ لگتی ہے۔ کہیں جو کچھ سوچتی ہوں۔ وہ تو ہوتا نہیں لیکن تم کو گزرتے ہو۔ کہ جس سے فائدہ تو کوئی ہوتا نہیں۔ ہاں نقصان اور خرچ ضرور ہوتا ہے۔ یہ جو میں کہتی ہوں۔ اس سے گھر بھر کی عزت بنتی ہے۔ اور گھر میں ایک چیز پڑی رہنے سے کبھی نہ کبھی کام آہی جاتی ہے۔ یہ جو ریڈیو لائے ہو۔ تو اس سے کیا فائدہ ہوگا۔ تھوڑی سی دلچسپی اور جب یہ خراب ہوگا۔ تو ساری دلچسپی رکھی رہ جائے گی۔ اور دس بیس روپے پھر لگ جائیں گے۔ اور اگر خدانخواستہ کل کو کوئی

ضرورت پیش آجائے۔ تو اس ریڈیو سے کیا کام چلے گا۔ زیور تو پھر بھی کسی نہ کسی دام پہ بک سکتا ہے۔ کیونکہ سونا چاندی کبھی بیکار نہیں جاتا ہے۔ مگر تم کس کی سنتے ہو۔ جو جی میں آتا ہے۔ وہ کرتے ہو۔ ایک تم بڑے عقلمند ہو۔ اور ساری دنیا بد عقل بد شعور۔ ذرا اپنے پاس پڑوس والوں کو دیکھا ہوتا۔ یہ کیا قریب ہی جج صاحب رہتے ہیں۔ کتنی برسیں ہوگئیں۔ اچھی تنخواہ اچھی آمدنی نوکر چاکر گھر میں۔ موٹر، ایک افسر اعلیٰ۔ لیکن آج تک ان کے مکان میں ریڈیو نہیں ہے۔ تو کیا ان کا کوئی کام بند ہوگیا۔ وہ چاہتے تو ایک کیا دو ریڈیو سٹ لگا لیتے۔ لیکن آدمی اپنا آگا پیچھا سوچ کر کام کرتا ہے۔ کیا وہ بھی آپ ہی کی طرح فضول روپیہ خرچ کرتے پھرتے ہیں۔ ایک بس تمہیں ایسے تھے۔ کہ بغیر ریڈیو کے گزر نہیں ہوتا تھا۔ اسی محلہ میں بیسیوں مہاجن اور دوسرے بڑے کاروباری رہتے ہیں۔ کسی ایک کے بھی یہاں ریڈیو نہیں۔ اور کیوں ہو۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ ان کے پاس جو روپیہ ہے۔ اس کو بیجا خرچ میں کیوں لگائیں۔ کسی کام میں لگاتے ہیں۔ اس سے دس بیس اور کما لیتے ہیں۔ ایک تمہارے پاس روپیہ فالتو تھا۔ تم نے لگا دیا۔ میں کہتی ہوں، کہ کسی کا مشورہ لیتے۔ دریافت کر لیتے۔ اپنے بڑے بوڑھوں

سے بات نہیں کرتے۔ نہ ان کو اپنی جوتی کے برابر سمجھتے ہو۔ پھر کیوں
تم کو کوئی مشورہ دینے آئے۔ اور کیا کسی کو کتے نے کاٹا ہے۔ کہ وہ آپ
کے ساتھ مغز پچی کرے۔ تم کماتے ہو۔ خرچ کرتے ہو۔ خوب خرچ
کرو۔ اور اب جو کچھ بنک میں پڑا ہو۔ وہ نکال لاؤ۔ اور کوئی دوسری
چیز خرید لاؤ۔ یا کسی اور کارخانہ کا بنا ہوا اس سے اچھا کوئی ریڈیو سٹ
خرید لاؤ۔ ایک سے دو ہو جائیں گے۔ تو اور زیادہ دلچسپی ہوگی۔ ایک
ہی وقت میں کئی اسٹیشن سے لطف اُٹھاؤ گے۔ کیوں اس میں کوئی
پاگل پن کی بات کیوں ہے۔ دنیا دیکھے گی۔ کہ ہاں صاحب دیکھو تو
محلہ میں کوئی اتنا دل والا نہیں تھا۔ کہ جو اپنے مکان میں ایک ریڈیو
سٹ لگا دیتا۔ لوگ کہیں گے۔ کہ آدمی غریب ہو۔ مگر دل والا ہو چلیئے۔
بس تھوڑی دیر کے لئے خوش ہو لینا۔ لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھنے
لگیں گے۔ خدا کی مار ایسی بے حیائی اور فضول خرچی پہ سمجھتے ہو۔ کہ
بڑا بھاری کارنامہ کر ڈالا۔ اور اب اس محلہ بھر میں لوگ آپ کے پاؤں
دھو دھو کر پئیں گے۔ کیونکہ کبھی کسی نے ریڈیو تو دیکھا نہیں ہے۔ ایک
تم ہی نئی چیز لائے ہو۔ اچھا بس خدا کے لیئے معاف کرو۔ اب بند کرو۔
کل پھر بجا لینا میرے سر پہ یہ چوں چوں لگا کر رات بھر نیند حرام کر دی
غضب خدا کا بارہ بجنے چاہتے ہیں۔ اور آپ ریڈیو پہ بیٹھے ہیں خراب

ہوگیا۔ تو مَیں کیا کروں ۔مَیں تو جانتی تھی۔ آج نہیں تو کل خراب ہو جاتا تمہاری طرح کوئی ریڈیو نہیں بجایا کرتا۔ نہ کسی کام سے مطلب۔ نہ سودا سلف سے غرض۔ نہ یہ معلوم کرنے سے مطلب کہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ کیا ضرورت ہے۔ بس اب ایک ریڈیو مل گیا ہے۔ صدقے قربان اچھا ہوا خراب ہوگیا۔ اور جو تم یونہی پریشان کرو گے۔ تو مَیں اس کمبخت ریڈیو کو صبح ہی اٹھا کر پھینک دونگی۔

پان کھانے پر

اُوئی اس ڈبیہ میں تو ایک پان بھی نہیں رہا۔ میں نے گنتی کے پچاس پان بنا کر رکھے تھے۔ غضب خدا کا دن بھر میں سب چبا ڈالا۔ اے میں کہتی ہوں۔ کہ کوئی اس طرح بھی پان کھاتا ہے۔ کہ ایک ایک ڈھولی پانوں کی گلوریاں چاب کر رکھ دے۔ پان نہ ہوئے نگوڑے لڈو پیڑے ہو گئے۔ اور پھر لڈو پیڑے بھی تو کوئی اسطرح نہ کھاتا ہو گا۔ جیسا کہ تم آجکل پانوں کے کھانے پر اتر آئے ہو۔ بکریاں بھی اس طرح شاید گھاس پات نہ کھاتی ہونگی۔ دن بھر بیٹھے جگالی کر رہے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں۔ کہ آخر دنیا میں کسی چیز کے استعمال کا کوئی اصول اور کوئی طریقہ ہوتا ہو گا۔ مگر تم ہو۔ کہ تمہارا کوئی اصول اور طریقہ ہی نہیں سمجھ میں آتا ہے۔ تم اپنے نزدیک سمجھتے ہو گے۔ کہ میں بڑا اچھا کام کرتا ہوں۔ تو یہ نوح ایسا کوئی انسان ہو۔ سو گلوریاں بنا کر دے دو۔ تو ڈبیہ خالی۔ پچاس دے دو۔ تو خالی۔ پورا پاندان سامنے اُٹھا کر رکھ دو۔ تو خالی۔ کوئی ٹک

ہی نہیں ہے۔ اور پھر تمہارے یار دوستوں کے مارے اور بھی ناک میں دم ہے۔ ایک ایک مرتبہ میں چار چار گلوریاں منہ میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اور آپ اُن کے سامنے ڈبیہ کھول کر رکھ دیتے ہیں بس جائیے فرصت ہوئی پھر بھلا کاہے کو دفتر سے پان بیچ کر آنے لگے۔ ارے چلو یہ کوئی ایک دو دن کی بات تھوڑی ہی ہے۔ یہ تو میں روز دیکھتی رہتی ہوں ——— غضب خدا کا۔ ایک ٹکڑا پان مجھ کو کھانا کھانے کے بعد بھی نصیب نہیں ہوتا۔ سب کے سب پان تمہاری ڈبیہ میں بنا کر ٹھونس دیتی ہوں۔ اس لئے کہ ہر وقت مجھے پان نہ بنانا پڑے۔ اور پھر ایک ٹکڑا پان بھی آئے گئے کے لئے نہیں بچتا ——— اور پھر اللہ کی سنوار پانوں پر۔ بابا کے مول تو ملتے ہیں موئی شبراتن یہی کہتی ہوئی آتی ہے۔ کہ بی بی بارہ آنہ سے کم نہیں کرتا۔ کریم بھی یہی کہتا رہتا ہے۔ کہ بی بی اب بازار میں پان بہت گراں ہو گئے ہیں۔ ایک روپیہ ڈھولی تک بکنے لگے ہیں۔ کوئی کتنا ہی کہے سنے۔ وہ ایک کوڑی بھی کم نہیں کرتے۔ اور تم ہو پوری ایک ڈھولی پانوں کی دن بھر میں چبا کر رکھ دیتے ہو۔ اور پھر اس پر بس نہیں کرتے ہو۔ کہ وہاں بھی بازار سے گلوریاں منگانا پڑتی ہیں۔ اور کھاتا کون ہے۔ وہی ملنے جلنے والے۔ جب جی چاہا آپ کے پاس آ بیٹھے۔ اور گلوریاں چبانے لگے۔ جیسے گھر سے

کھانا نہیں کھا کر آئے۔ یہاں یہ حال کہ کبھی متلی و تلی ہونے لگے۔ تو کبھی پان کھالیا۔ دن میں ایک اور شام کو ایک گلوری۔ یہ میرا دستور ہے۔ زیادہ کھاتی ہوں تو مجھ سے قسم لے لو۔ اور میری کوئی سگی سوتیلی بھی نہیں آتی۔ کہ اس کی خاطر مدارات کے لئے گلوریاں بنا دیتی ہوں۔ ہاں تم کھاتے ہو۔ اور تمہارے دوست احباب کھاتے ہیں۔ میں اتنے پان کھاتی ہوتی تو قیامت ہو جاتی۔ اور تم مجھ کو یوں بھی پھوہڑ کہتے ہو۔ پھر اگر میں اتنے پان کھاتی۔ تو قدر عافیت آپ کی معلوم ہوتی ——— اللہ کی پناہ ایک ڈھولی روز پانوں کی گلوریاں کچھ خبر بھی ہے۔ کہ مہینہ میں کتنا خرچ پانوں کا ہوا تیس روپیہ محض پانوں کی قیمت تمہیں کو اپنی گرہ سے دینا پڑے گی۔ اور دیا کہاں سے جائے گا۔ کیا تنخواہ کا روپیہ بڑھتا جائیگا۔

اے لو دیکھتے ہو۔ یہ اپنا کوٹ کہاں سے لال کر آئے ہو۔ ذرا دیکھو تو پوری آستین غارت ہو کر رہ گئی ہے۔ کچھ سمجھ میں آیا۔ یہ پانوں کا تھوک ہے۔ اور چباؤ دو دو ڈھولی۔ ابھی کیا ہے۔ ابھی تو یہی خراب ہوا ہے۔ کل کو سارے کپڑے غارت ہونگے۔ بچھونے کی چادر تکیہ کا غلاف۔ کمرے کا فرش سب لال ہو جائے گا۔ ایک تو ماشاء اللہ مکان ہی بڑا صاف ستھرا ہے۔ تم نے اور بھی بنا دیا ہے۔ جگہ جگہ تھوک بالکل گھنونا بنا رکھا

ہے۔اب کیا ہے۔اب تو آپ نے پان کھانا شروع کر دیا ہے۔روز ہی کپڑوں کی خواری ہوگی۔اُجلے اُجلے انگوں کے پر ایسے کپڑے کیسے پانوں کے تھوک سے برباد ہونگے۔اور اب انہیں روز دھلاؤ۔تو کہیں جا کر پہننے کے قابل ہونگے۔مہینہ میں تیس روپیہ کے پان کھاؤ گے۔اور دس بیس روپیہ کپڑوں کی دھلائی پر صرف ہونگے۔آخر میں پوچھتی ہوں یہ بھی کوئی عقل کی بات ہے۔اگر کہیں میں ایسا کرتی۔تو بھیڑ سے باہر تک پھوہڑ اور نہ جانے کیا کیا کہی جاتی۔

اچھا بھلا میں پوچھتی ہوں۔کہ اگر خدانخواستہ ایک دن پان نہ ملے تو تمہاری کیا حالت ہوگی۔دفتر میں افیونیوں کی طرح ہر وقت پینک میں آنکھیں بند کئے پڑے رہو گے یا جھوم جھوم کر گر پڑو گے۔سرکاری کام بھی چوپٹ ہوتا رہے گا۔لوگ شکایتیں کرینگے۔جب کام نہ کرو گے۔تو کیا تنخواہ مفت مل جائے گی۔کام ہی کے دام ہوتے ہیں۔ورنہ یوں کون کسی کو دے دیتا ہے۔اور سنو رمضان شریف کا زمانہ قریب آ رہا ہے۔میں پوچھتی ہوں۔کہ اگر یونہی دو دو ڈھولی پانوں کی روز چبایا کرو گے۔تو روزے کیسے رکھو گے۔دو ہی دن میں تو بتی بول جائے گی۔مجبوراً روزے چھوڑ دو گے۔ذرا آئینہ لے کر اپنے دانت تو دیکھو۔کیسے شریفہ کے بیج ہو رہے ہیں۔زبان کو دیکھو۔تو وہ بالکل کالی پڑ گئی ہے۔کوئی

اس طرح بھی پان کھاتا ہے۔ ذرا ڈاکٹر سے جاکر تو پوچھو۔ کہ دانتوں کی خرابی سے کیا کیا بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک کتاب میں دیکھا تھا۔ کہ آدمی کو اپنے دانتوں کی بڑی حفاظت کرنا چاہئے۔ کیونکہ دانتوں کی خرابی کی وجہ سے معدہ کمزور ہوتا ہے اور معدہ کی خرابی سے پوری صحت پر اثر پڑتا ہے۔ آپ کے دانت تو بالکل ایسے ہو گئے۔ کہ اگر ان کو کھرا دیہ رکھ آؤ۔ تو شاید اچھے ہوسکیں۔ ورنہ یونہی تہ پہ تہ جمتی چلی جائے گی۔ اور نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تم بھی دائم المریض ہو کر رہ جاؤ گے۔ اور وقت سے بہت پہلے پنشن لینا پڑے گی۔ اور وہ نگوڑی پنشن ہی کیا ہوگی۔ جس شخص کے خرچ کا یہ حال ہو۔ کہ مہینہ میں تیس تیس روپیہ کے پان کھا جائے۔ وہ پنشن لیکر کیسے بسر کرسکتا ہے۔ پنشن بھی پوری تنخواہ کی آدھی ملے گی۔ آج تو ۱۲۵ روپیہ میں گزر نہیں ہوتا ہے۔ اور جب کل جمع باسٹھ روپیہ کچھ آنے پائی ملیں گے تو کیا ہوگا۔

اللہ جانتا ہے۔ کہ مجھے تو یہ کوفت ہر وقت کھائے جاتا ہے گھلائے ڈالتا ہے۔ نوج ایسا کوئی انسان ہو۔ میری تو تقدیر ہی پھوٹ گئی۔ میں کیا جانتی تھی۔ کہ ایسے آدمی سے واسطہ پڑے گا۔ جو دن میں پچاس پچاس سو گلوریاں پانوں کی چبا جائے گا۔

تمہیں کیا عزت آبرو کسے کہتے ہیں۔ آدمی کے گھر میں ایسی چیزیں ہر وقت پڑی رکھی جاتی ہیں۔ خدا جانے کب ضرورت پڑ جائے۔ اور پھر پان تمبا کو ایسی تھکنی چیز اسی سے عزت بنتی ہے۔ اور اسی سے عزت بگڑتی ہے۔ اب یہی دیکھو۔ کہ دوپہر میں قاضی صاحب کی بیوی گھومنے چلی آئیں۔ وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا۔ کہ انہیں بھی جلدی تھی۔ اور کچھ ابر بھی تھا۔ بیچاری الٹے پاؤں واپس چلی گئیں۔ اگر کہیں وہ ایک گھنٹے کے لئے رک جاتی۔ تو کیسی ناک کٹی تھی۔ اور وہ بھی اپنے دل میں کیا کہتی۔ کہ نام بڑا درشن تھوڑا۔ نہ پان نہ پتہ۔ میں پاندان دیکھتی ہوں۔ تو جی سن سے ہو گیا۔ پان ندارد تھا۔ مجھے کیا خبر تھی۔ کہ تم سب کے سب پان اپنے ڈبیہ میں لے گئے اور پھر دفتر سے بھی منگوا بھیجا۔ آدمی کم از کم منہ سے تو بتا دیتا ہے۔ نہ جانے کیسا وقت پڑ جاتا ہے۔ ان بیچاری کو کیا خبر ہوتی کہ میاں دن میں دو دو ڈھولی پانوں کی چبا جاتے ہیں۔ اور انہیں کیا معلوم ہوتا۔ کہ اس گھر میں ایک ایک روپیہ روز کا پان آتا ہے۔ اچھا میں نے مانا۔ تم نے سب پان نہیں کھائے۔ تو تم کو کیا ایسی ضرورت پڑی رہتی ہے۔ کہ سب کو پان کھلاتے رہتے ہو۔ اور پھر گھر تک پیچھا نہیں چھوڑتے۔ خیر کبھی دفتر میں سامنے کھاتے برا معلوم

ہوتا ہے۔ کہ کسی کو بغیر دیئے کھالو۔ مگر تمہاری تو یہ فیاضی گھر پر بھی رہتی ہے۔ اُف مَیں تو پاگل ہوئی جاتی ہوں۔ یہاں پان بناتے بناتے تمام انگلیاں سیاہ ہوگئی ہیں۔ مگر تمہارا پیٹ ہی نہیں بھرتا ہے۔ آخر یہ بھی کوئی قرینہ ہے۔ دن میں دس پانچ گلوریاں بہت کافی ہوتی ہیں۔ چلو چھٹی ہوئی۔ اب یہ نہیں۔ کہ ایک اُگلا ایک تھوکا۔ اور ایک اور منہ میں بھرلیا۔ بولو نا۔ اب مجھے قائل کرلو۔ یا تم خود قائل ہوجاؤ۔ انسان ہر بات ہر کام ایک اصول سے کرتا ہے۔ نوج خدا نہ کرے۔ کہ مَیں تمہاری طرح پان کھانے لگوں۔ مَیں کوئی بکری ہوں۔ جو ہر وقت پتیاں چبایا کروں بس دو وقت کھانا کھانے کے بعد بہت ہے۔ وہ بھی منہ صاف کرنے کے لئے اور میں تو اسی کو چھوڑنے والی ہوں۔ جس کو اچھا معلوم ہوتا ہوگا۔ کونسی ایسی بڑی خوبی پان کھانے میں ہے۔ ذرا سا منہ کھل جائے۔ اور ساری پیک کپڑے پر۔ باتیں کیجئے اور تھوک دوسروں کے منہ پر اڑاڑ کر پڑتا جاتا ہے۔ جہاں بیٹھ گئے۔ تھک تھک تھوکنے لگے اور پوری زمین کو سیاہ کرکے رکھ دیا۔ پھر ساری بات کی ایک بات تو یہ ہے۔ کہ روپیہ پیسہ کی کیسی بربادی ہوتی ہے تم کھاؤ پان جو اکھ ا ر پر ، یا حلاتے ہو۔ ــــ ــــ [illegible]

پاندان کمبخت مارے کو یہاں سے اُٹھا لے جاؤ۔ اور اپنے کمرے میں رکھ لو۔ وہیں جو چاہے کرو۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ مَیں ہر وقت بیٹھی پان لگاتی رہوں۔ اور دُنیا کے سارے کام تج دوں۔ تمہارا جو جی چاہے کرو۔

الیکشن ہارنے پر

میں تو کہتی تھی۔ کہ تم الیکشن ہار جاؤ گے۔ مگر تم کس کا کہا سنتے ہو۔ جو جی میں آتا ہے۔ وہ کرتے ہو۔ تمہیں کون سمجھائے اور کون کہے۔ کہ الیکشن تمہارے بس کی چیز نہیں تھی۔ آخر وہی ہوا۔ میں جانتی تھی کہ یہ الیکشن جس میں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رشتوں کو گنواتے ہیں۔ بڑی بُری چیز ہوتی ہے۔ جس کے پاس کوئی غم نہ ہو۔ وہ الیکشن میں لڑنے کے لئے کھڑا ہو۔ اور پھر سچی بات تو یہ ہے۔ کہ آدمی کے پاس اتنا پیسہ ہونا چاہئے۔ کہ اگر ضرورت پڑے تو خرچ کر سکے۔ آپ کے پاس کیا تھا۔ جو کچھ تھا۔ وہ ساری عمر کی کمائی تھی۔ اسے بھی آپ نے پھونک دیا۔ چلو اچھا ہوا۔ کہ یہ ہنگامہ کسی نہ کسی طرح ختم تو ہوا۔ غضب خدا کا ایک مدّت سے سن رہی تھی۔ کہ الیکشن ہونے والے ہیں۔ اور جب سے یہ تماشا شروع ہوا۔ اسی وقت سے آپ الیکشن کے پیچھے دیوانے پھرتے تھے۔ نہ کوئی اور کام نہ غرض نہ گھر کی پروا۔ نہ بچوں کی

فکر۔ نہ ان کی تعلیم کی فکر نہ گھر کی حالت کا آپ کو کوئی اندازہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ بس اب الیکشن ہی سے دُنیا اور آخرت بنے گی۔ کہئے دیکھ لیا نا تماشا۔ جن دوستوں سے آپ کو اُمید تھی۔ اور بڑی اُمید تھی انہوں نے کیسا وقت پہ دھوکا دیا۔ توبہ توبہ نُوج انسان کی عقل اس طرح خراب ہو۔ کہ وہ کسی کی اچھی مانے نہ بُری مانے۔ اور جب کچھ کہو۔ تو کہتے ہیں۔ کہ قومی کام ہے۔ چولھے میں گیا ایسا قومی کام۔ جس میں آدمی گھر پھونک کر تماشہ دیکھے۔ افوہ جیسے آدمی کو بخار آتا ہے۔ تو وہ اس میں بڑبڑاتا ہے۔ اور جو جی چاہتا ہے۔ بکتا چلا جاتا ہے۔ وہی حال آپ کے الیکشن کا بھی تھا۔ جب سے یہ ہنگامے شروع ہوئے ایک منٹ کے لئے بھی چین نہ پایا۔ کھانا پینا گھر بھر کا حرام کر دیا۔ اور روپیہ پیسہ تو آپ نے کوڑیاں اور ٹکیاں بنا دی۔ مگر پھر بھی تقدیر میں ہار لکھی تھی۔ میں پوچھتی ہوں۔ کہ آخر کیا ایسی ضرورت پڑی تھی۔ جو آپ نے الیکشن میں حصّہ لیا۔ کیا قوم میں ایک آپ ہی ایسے قوم کے ناخدا تھے۔ جس کے بغیر یہ کشتی پار نہیں ہو سکتی تھی۔ یا قوم کا سارا درد صرف آپ ہی کے دل میں ہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ کہ خدا کا بڑا شکر ہے۔ کہ الیکشن ختم ہو گیا۔ مجھے تمہارے ہارنے کا کوئی غم نہیں۔ مجھے خوشی تو اس کی ہے۔ کہ اب آیندہ سے تمہارے سر پہ یہ بھوت نہ

سوار ہوگا۔ اور اب کیسے سوار ہوگا۔ جو کچھ گھر میں پونجی تھی۔ وہ آپ نے قوم کے نذر کر دی۔ اب قوم کے نام پر فاقے کیجئے۔ اور منہ بسورے پڑے رہئے۔ اُفوہ جس روز سے یہ ہنگامہ شروع ہوا۔ میرے سر پر تو روز قیامت آتی تھی۔ اور چلی جاتی تھی۔ صبح ہے تو شام ہے تو دن ہے تو دوپہر ہے۔ تو غرضیکہ سارا دن اور ساری رات اسی جھگڑے میں گزر گیے۔ اور لینا ایک نہ دینا دو۔ میں جانتی تھی۔ کہ آپ جیت نہ سکیں گے۔ جس کے ساتھ تم مقابلہ کر رہے تھے۔ بھلا اُن کا اور آپ کا کیا مقابلہ ان کے ساتھ ایک دو نہیں۔ بلکہ ہزاروں آدمی کام کرنے والے اور لاکھوں روپیہ ان کے پاس موٹر گھوڑا گاڑی پالکی نالکی اور تمام نہ جانے کیا کیا ان کے یہاں موجود اور یہاں تمہارے پاس کیا۔ ایک بس لے دے کے۔ ایک بائیسکل وہ بھی ٹوٹی ہوئی ——— ایک تانگہ بھی نہیں۔ تو پھر بھلا ایسا مقابلہ کس کام کا۔ اب سارے شہر میں ہنسی ہو رہی ہے۔ کون کسی کا منہ پکڑ سکتا ہے۔ جو جس کے جی میں آئیگا۔ وہ کہے گا۔ اب جائیے سارے زمانے سے لڑیئے۔

الیکشن کوئی ہنسی کھیل ہے۔ ہر چیز کی اس میں ضرورت ہوتی ہے۔ اور پھر تم کو جانتا ہی کون ہے۔ تمہیں بتاؤ۔ تم نے قوم کی کیا خدمت کی ہے۔ جس کے بھروسے پر قوم کے نمایندہ بننا چاہتے تھے۔ کچھ آپ

نے کسی قومی ادارہ کو اپنی کمائی کا کوئی روپیہ دیا ہوتا۔ زبانی خدمت کی ہوتی۔ یا یونہی منہ سے کہہ دینا صرف کافی ہے۔ کہ آپ قوم کی نمایندگی کرنا چاہتے ہیں۔ اور بس سارے ووٹ آپ کی مٹھی میں۔ بھلا اس بدعقلی کا کیا علاج کیا جائے۔ کتنا میں نے سمجھایا۔ خوشامد کی۔ اللہ کا واسطہ دیا۔ کہ دیکھو اپنی حیثیت دیکھو۔ پہلے قوم کی خدمت کر لو۔ تو اس مہم میں قدم اٹھاؤ۔ مگر تم نے کسی کی نہ مانی۔ پاؤں میں ٹھیک سے ایک جوتہ بھی نہیں ہے۔ اور چلے الیکشن میں امیدوار بننے۔ پہلے اپنی حیثیت بناؤ۔ جو کام کر رہے ہو۔ اس کو بڑھاؤ۔ لوگوں کی خدمت کرو لوگوں کو اپناؤ۔ جلسوں میں تقریر کرو۔ کسی جماعت کے ممبر بنو۔ کچھ اپنی جیب سے اس میں چندہ دو۔ اس وقت پھر تمہیں یہ بھی حق ہو سکتا ہے۔ کہ قوم تمہیں اپنا نمایندہ بنائے۔ آخر میں پوچھتی ہوں۔ کہ یہ تمہیں کیا خبط ہو گیا ہے۔ اور کیوں اپنے پیچھے پڑے ہو۔ نہ کمائی دھمائی اور الیکشن میں پھاند پڑے۔ کوئی ایسا بھی کرتا ہے۔ جو کچھ پاس تھا۔ وہ تو سب آپ الیکشن میں پھونک تاپے اب ایک ایک پیسہ کے لئے محتاج پھرتے ہو۔ اب دیکھتی ہوں کہ کون پوچھنے آتا ہے۔ اور کون آپ کے بچوں کی ضروریات کو پورا کرتا ہے۔ جب مصیبت آتی ہے۔ تو انسان کی عقل بھی ٹھکانے نہیں رہتی۔ مجھے تو یہ حشر پہلے ہی سے معلوم تھا۔ اگر

تمہیں اس کا علم نہ تھا۔ تو آدمی دوسروں کی بھی سنتا ہے۔ مگر تم تو ایلکشن کے پیچھے ایسے دیوانے ہو گئے تھے۔ کہ کسی کی اچھی بری بات بھی نہیں سننا چاہتے تھے۔ پھر کس کے سر میں اتنی قوت تھی۔ کہ تم کو زبردستی سمجھاتا۔ بجھاتا۔ کہنے کو تو سارے محلہ والوں نے کہا۔ میں نے ایک مرتبہ دو مرتبہ نہیں۔ بلکہ بیسیوں مرتبہ کہا۔ کہ اپنی جان خلجان میں نہ ڈالو۔ الیکشن تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اچھے خاصے بیٹھے بٹھائے سر میں درد نہ مول لو۔ مگر تم کہاں سنتے ہو۔ تم نے تو یہ سمجھ لیا تھا۔ کہ جو لوگ تمہیں سمجھاتے ہیں۔ وہ خود تمہاری جگہ لینا چاہتے ہیں۔ اور حکومت کی کرسی تم سے چھین رہے ہیں۔ اب تم خود سوچو۔ اور بتاؤ۔ کہ وہی بات سامنے آئی۔ کہ نہیں میں بری تھی۔ اور جو تمہارے بڑوں نے تم کو سمجھایا۔ کہ میاں الیکشن بازی کے چکر میں نہ پڑو۔ ورنہ بیٹھے بٹھائے اپنے اوپر ایک نئی مصیبت مول لو گے۔ لیکن آپ نے ان کا بھی کہا نہ کیا۔ اگر میں تمہاری دشمن تھی۔ پاس پڑوس والے تمہارے اعزاز اور اقتدار کو دیکھنا نہیں پسند کرتے تھے۔ تو یہ تمہارے چچا میاں تو تمہارے دشمن نہیں تھے۔ یہ تو تمہارے بزرگ تھے۔ مگر تم نے ان کی بھی نہ سنی۔ گھر کی ساری پونجی ایک ایک پیسہ گن کے تمہارے ہاتھوں دے دیا۔ اور تم نے الیکشن میں لگا دیا۔ اور یہی نہیں ایک مکان باپ دادے کی نشانی باقی رہ گیا تھا۔ تم نے اسے

بھی مہاجن کے یہاں گروی رکھ دیا۔ روپیہ پیسہ کوئی سمندر تو نہیں ہے۔ کہ خرچ کرتے رہو۔ اور بڑھتا رہے۔ میں تو کہتی ہوں۔ کنوئیں کا پانی بھی سوکھ جاتا ہے۔ اب تم خود غور کرو۔ اور سوچو۔ کہ یہ جتنا پیسہ تم نے خرچ کیا۔ کس کام آیا۔ اگر یہی پیسہ کسی نیک کام میں لگا دیتے۔ تو اس کا اجر خدا سے بھی پاتے۔ تمہیں دیتے وہ تمہیں دعائیں دیتے۔ دنیا میں بھی نام ہوتا۔ اور عقبےٰ میں بھی کام آتا۔ اب یہ بتاؤ۔ کہ الیکشن میں جتنا خرچ کیا۔ وہ کس کام آیا۔ اور اس سے کتنا ثواب ملا۔ اور کس کو اس سے فائدہ پہنچا۔ بڑے قوم کے ہمدرد تھے۔ اسی پیسے سے اسی قوم کے لئے کوئی عمارت بنا دیتے۔ قوم کے بچوں کے لئے کوئی اسکول قائم کر دیتے۔ عمر بھر نام رہتا۔ اور لوگ اُٹھتے بیٹھتے تمہیں دعائیں دیتے۔ اور یاد کرتے رہتے۔ کہ بھائی دیکھو۔ اس نے کتنا بڑا کام کیا۔ غضب خدا کا بغیر سوچے سمجھے پانی کی طرح پیسہ کو بہا دیا۔ اور پھر بھی کسی کام نہ آیا۔ تمہیں یہ بھی نہ خیال کیا۔ کہ آیندہ کیا ہوگا۔ اور پھر اپنا رکھا ہوا جو کچھ خرچ کیا۔ وہ تو گیا ہی تھا۔ اور قرض بھی لے لیا۔ اب اس کا سود پر سود مزید لگایا جائے گا۔ اور مکان کی مالیت پر اس کا بار روزانہ بڑھتا جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ عدالت میں مقدمہ چلے گا تمہارے خلاف ڈگری ہوگی۔ پھر قرقی کی جائے گی۔ اور اتنا بڑا عالیشان مکان جسے اب اگر تم

ہزاروں روپیہ لگاکر بھی بنانا چاہو تو نہ بنا سکو۔ وہ نیلام پر چڑھایا جائیگا اور وہی مہاجن اونے پونے کر کے خرید لے گا۔ چلو اس طرح رہنے کا ایک سہارا بھی گیا۔ کرایہ کا مکان لے کر رہو گے۔ ہر مہینہ چالیس پچاس روپیہ کرایہ ادا کرو گے۔ تمہاری ماہوار اتنی آمدنی بھی نہیں مشکل سے وہ چار سو روپیہ ماہوار پیدا کر سکتے ہو۔ اسی میں قرض ادا کرو۔ بچوں کی تعلیم کا انتظام کرو۔ گھر کا خرچ چلاؤ۔ اور پھر بھی پورا نہیں پڑتا۔ تو اس وقت کیسے پورا ہوگا۔ مَیں بد عقل سہی۔ بے شعور سہی۔ لیکن سمجھ تو مجھ میں بھی ہے۔ کہ اپنا اچھا بُرا سمجھ سکوں۔ اگر میں کہیں اتنا روپیہ دے دیتی یا کسی کام میں لگا دیتی۔ تو معلوم نہیں۔ تم کیا کرتے۔ بھلا اتنا تو سوچتے۔ کہ تمہارے چار بچے ہیں۔ اور چاروں ماشاء اللہ اسکول میں تعلیم پاتے ہیں۔ اور ہر مہینہ سو پچاس روپیہ ان پر بھی خرچ ہوتا ہے۔ اب جب آمدنی کم ہوگی۔ تو کیا ہوگا۔ گھر میں کوئی پیسہ باقی نہیں رہ گیا۔ میرے جسم پر جو زیورات تھے۔ وہ بھی تم نے ایک ایک کر کے بیچ دیئے۔ مَیں اس وقت بھی چُپ رہی حالانکہ یہ زیورات میرے والدین کے دیئے ہوئے تھے۔ لیکن مَیں نے ان کے بیچنے پر بھی اُف کی۔ مگر تم کو کوئی افسوس نہ ہوا۔ تمہارے سر پر تو ایک الیکشن کا بھوت سوار تھا۔ تم یہ بھی جانتے ہو۔

کہ انسان کو بیماری دکھی بھی لگی رہتی ہے۔ خدانخواستہ اگر گھر میں کوئی بیمار پڑ جائے۔ تو پانچ روپیہ ڈاکٹر کی فیس کے لئے بھی نہ نکلے۔ اور کھانسی وغیرہ تو ہر وقت ہی رہتی ہے۔ لڑکوں والے گھر میں ان باتوں کو کہیں ڈھونڈنے نہیں جانا ہے۔ اب یہی دیکھو۔ کہ پچھلے سال منو میاں کو کیا تھا۔ ایک معمولی ریل کا کوئلہ آنکھوں میں پڑ گیا۔ اور اُس نے کیا مُشکل اختیار کر لی کہ اللہ کی پناہ کتنے مرتبہ ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا۔ میڈیکل کالج لے جایا گیا۔ مہینوں کی دوڑ دھوپ کے بعد ان کی آنکھیں ٹھیک ہوئیں۔ اور سو پچاس روپیہ نہیں نہیں کرکے بھی خرچ ہو گئے۔ اب تو گھر میں ایک کانی کوڑی بھی نہیں رہ گئی۔ کہ چار پیسہ کا جوشاندہ ہی منگا لیگا۔ ڈاکٹر کی فیس دینا اور علاج معالجہ کرنا تو در کنار۔ یہ سچ ہے۔ کہ پیسہ روپیہ ہاتھ کی میل ہوتی ہے۔ مگر یہ بھی دیکھو۔ کہ کس مشکل سے پیسہ آتا ہے۔ تم اتنے دنوں سے پریکٹس کرتے ہو۔ تمہیں بتاؤ کتنا کمایا۔ اور اپنی ٹائی کالر پر کتنا خرچ کرتے ہو۔ جب گھر میں ایک پیسہ کا سہارا نہ ہوگا۔ تو کوئی قرض بھی نہ دے گا۔ اور ایک ہی قرض ادا کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوسرا قرض لینا اور اسے ادا کرنا تو بڑی بات ہے۔ میں تو عورت ذات ہوں۔ جو کچھ کہو۔ سب سچ ہے۔ مگر تم تو خیر مرد ہو۔ سمجھدار ہو۔ تمہیں خدا نے ہم سے زیادہ عقل اور سلیقہ

دیا ہے۔ مگر پھر بھی ایسی غلطیاں کرتے ہیں آخر میں پوچھتی ہوں۔ بتاتے کیوں نہیں۔ کہ یہ الیکشن میں کودنے کی آپ کو کیا پڑی تھی چولہے میں جائیں ایسے دوست احباب جنہوں نے تم کو اس جنجال میں پھنسا دیا۔ اور پھر انہیں مونڈھی کاٹوں کا دم بھرتے ہو۔ جب میں جانتی کہ وہی دوست احباب اپنے پاس سے اپنی جیب سے نکال کر تمہاری کچھ مدد کر دیتے۔ بس اتنی ہی دوستی تھی۔ کہ تم کو الیکشن میں جھونک دیا اور خود بیٹھے تماشا دیکھتے رہے۔ چاء بسکٹ ٹوسٹ اور مٹھائیاں بھی تمہارے ہی پیسے سے اڑاتے رہے۔ ان بے غیرتوں کو شرم بھی نہیں آئی۔ اور اب پھر آکر منہ دکھاتے ہیں۔ ہنستے ہیں۔ اور الیکشن کی جھیپ مٹاتے ہیں۔ کہتے ہیں۔ کہ اگر دو ہزار روپیہ اور خرچ کر دیا جاتا۔ تو شرطیہ بازی جیت جاتی۔ خدا جانے یہ کمبخت کس منہ سے یہ کہتے ہیں۔ جب انہیں یہ معلوم تھا۔ کہ دو ہزار روپیہ میں بازی جیت رہی تھی۔ تو پھر دو ہزار اپنی جیب سے لگاکر دوستی کا ثبوت دیتے۔ تو میں دیکھتی۔ کہ واقعی بڑے ہمدرد اور غمگسار ہیں۔ خالی منہ سے اب کہہ رہے ہیں۔ ارے میں تو کہتی ہوں۔ کہ یہ کمبخت تم کو بناتے ہیں۔ انہوں نے تمہارا پیسہ خرچ کرایا۔ اور دوسروں سے بھی ملے رہے۔ اور اپنا اُلّو سیدھا کرتے رہے۔ اور تم ہو کہ انکی دوستی پر

اب بھی بھروسہ کئے بیٹھے ہو۔ پھر ساری دنیا کی ملامت بھی سن رہے ہو کہ ایک ایسے آدمی کا مقابلہ کیا۔ جس کی طرف ساری قوم اور ساری خدائی تھی آخر مجھ کہتی ہوں بھلا اس میں کونسے کیڑے پڑے تھے۔ جو آپ کو ان کی مخالفت کی سوجھی۔ اور ناحق اپنا روپیہ پیسہ برباد کیا۔ آخر اب کیا بنا لیا۔ اب ان سے بھی شرمندگی ہوگی۔ عمر بھر کے تعلقات ختم ہوگئے۔ وہ بھی سمجھتے ہونگے۔ کہ آپ نے خوب دوستی کا حق ادا کیا۔ اور انہیں یہ کیا معلوم۔ کہ آپکے دوستوں کی بیوقوفی کا یہ نتیجہ آپ کو برداشت کرنا پڑا ہے۔ جب کوئی ساتھی نہیں تو پھر یہ چند لفنگوں کے کہنے پر الیکشن میں کودنے کی کیا ضرورت تھی۔ جو لوگ کہہ رہے تھے۔ انہیں سے کہتے۔ کہ بھائی تمہارے دل میں قوم کا بڑا درد ہے۔ تمہیں الیکشن میں کھڑے ہو جاؤ۔ مگر وہ تو دور سے تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔ تمہارا بگاڑنا چاہتے تھے۔ ان کا مقصد تو پورا ہوگیا۔ اب تم اپنی تقدیر کو روتے رہو۔ ہاں ہاں میں جلتی آگ پر تیل چھڑک رہی ہوں۔ میرے بدن میں بھی تو آگ لگی ہے۔ یہ گھر کے جنجال میں تو مجھی کو پریشان ہونا پڑتا ہے۔ تم کو کیا آج ایک الیکشن میں کھڑے ہوگئے۔ کل کسی اور بازی گری میں کھڑے ہو جاؤ گے۔ اور تمہارے یہی دوست احباب تم کو چنگ پر چڑھا دیں گے۔ جس طرح انہوں نے آج تمہاری پیٹھ ٹھونک کر تم کو الّو بنایا۔ کل پھر اسی

طرح اُلو بناتے رہیں گے۔ اور تم ان کی ہاں میں ہاں ملاتے رہو گے۔ میں اگر دو چار پیسے جوڑ کر رکھوں بھی۔ تو تم کہاں رہنے دیتے ہو۔ اسی طرح پھر کوئی الیکشن آئے گا۔ اور یہی آپ کے احباب پھر آپ کو اُلو بنادینگے تو یہ تو یہ میری تو جان عذاب میں پڑگئی ہے۔ —— سچ کہتی ہوں۔ مجھے کونت ہوتی جاتی ہے۔ ایک دن اسی طرح گھٹ گھٹ کر ہلاک ہو جاؤں گی۔ تم اُف بھی نہ کرو گے۔ اُف کیسی ایک بات بھی تو نہ مانی جب جو کچھ کہو۔ چپکے سے سن لیا۔ اور بس خدا جانے کیا تمہارے جی میں آتا ہے اور کیا کر گزرتے ہو۔ اور مصیبت میں گھر والوں کو ڈال دیتے ہو۔ اب یہی دیکھو۔ کہ الیکشن میں پورے تین ماہ تم نے گزار دیئے۔ اس درمیان میں آمدنی کے تمام ذرائع بند ہو گئے۔ مقدمہ معاملے والے بھی آئے چلے گئے۔ انہیں اس کی کیا پروا اور وہ کیا جانیں۔ کہ آپ الیکشن میں مبتلا ہیں۔ قوم کی خدمت کرنے جا رہے ہیں۔ ان کو تو اپنے معاملہ سے کام ہوتا ہے۔ جب دفتر میں تین مہینہ تک مسلسل نہ بیٹھو گے۔ تو مقدمے والے بھی آنا بند کر دینگے۔ اور بند کر دیا۔ وہ جانتے ہیں کہ اب تو آپ قومی آدمی ہو گئے ہیں۔ اب آپ کو مقدمات کی کیا ضرورت۔ نہ تم بیٹھے اور نہ اس درمیان میں ایک روز کے لئے آپ کے محرر صاحب آئے اور آتے بھی کس کے پاس۔ نہ دفتر کھلا۔ نہ صفائی ہوئی جو کوئی

آیا بھی ہوگا - واپس گیا ہوگا - اس نے دیکھا - کہ دفتر تو بند ہے - کام وام کیا ہوگا - چلئے روز کی آمدنی تو یوں بند ہوگئی - اب رہ گئی تھی مکان کی آمدنی - تو وہ بھی گروی ہوگیا - باہر کی جائداد کا حساب اس سے بھی خراب نہ کبھی اب عمر بھر میں وہاں جاتے ہیں - نہ کوئی حال معلوم ہوتا ہے - اور اب آپ کو فرصت ہی کہاں ہے - آپ کو تو بس الیکشن یاد رہ گیا ہے - اور یہی ذریعہ معاش ہو جائیگا - اسی طرح گھر کی کوڑی کوڑی الیکشن میں لگا دیا کرو - بس چلئے فرصت ہوگئی - قوم سمجھے گی - کہ بڑا کام کیا - میں کہتی ہوں - کہ کیوں اپنی تباہی کے لئے درپے ہو - بس بہت تباہ ہو چکے - خدا کے لئے میرے اوپر ان بچوں پر اب رحم کیجئے - اور اگر آپ کے یہی چال رہے - تو میں تو یہاں سے چلی جاؤنگی - تم جانو تمہارا کام جانے - میں کہاں تک ان مصیبتوں کو برداشت کرتی رہونگی - ہزاروں کے روز تقاضے تو میرے سر آتے ہیں - تم تو اپنے دوستوں کے ساتھ الیکشن کے چکر میں رہتے ہو -

دیکھو نا اپنی حالت کیا ہوگئی ہے - جیسے برسوں کا بیمار - میں جانتی ہوں - کہ یہ کیا ہوا - وہی الیکشن - اور جو میں کہتی تھی - کہ اتنا رات دن نہ دوڑا کرو - خدا نہ کرے - صحت نہ خراب ہو جائے - مگر تم کہاں مانتے وہ تو قوم کا درد دل میں تھا - گلیوں گلیوں مارے مارے پھرے

دُنیا بھر کی خاک دھول پھانکی۔ دروازے دروازے بھیک کی طرح ووٹ مانگتے رہے۔ اور پھر بھی کسی نے نہ سُنی اچھا ہوا۔ میں تو بہت خوش ہوا۔ اگر تم کہیں جیت جاتے۔ تو آسمان ہی پر تُکلی لگاتے الیکشن نے وہ سر میں ہوا بھر دی تھی۔ کہ کسی سے بات بھی نہیں کرتے تھے۔ مَیں گھر ہزاروں قسم کے آلام میں مبتلا ایک ایک سے پوچھ رہی ہوں۔ کہ اتنی دیر ہوگئی۔ کہاں رہ گئے ساری رات گذر گئی۔ اور پھر بھی کہیں آپ کا پتہ نہیں۔ مگر وہ تو الیکشن تھا نا۔ اب تو۔ سر میں درد ہوگا۔ بخار آئے گا۔ سب کچھ ہوگا۔ اب دوا علاج کرو۔ خدا کی پناہ ایسا الیکشن سر پہ سوار ہوا۔ کہ اس نے بالکل بوکھلا دیا۔ آپے میں نہ رہ گئے۔ مَیں پوچھتی ہوں۔ کہ شیروانی کو کیا ہوا۔ تو آپ کہتے ہیں۔ کہ ابھی ایک اور ووٹ سے ملنے جا رہا ہوں۔ مَیں کہتی تھی۔ چاء پی لو۔ کھانا کھا لو۔ اور آپ کہتے تھے کہ ابھی الیکشن افسر کا کرایہ ادا کرنا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ جنون ہوگیا ہے۔ اور مَیں تو کہتی ہوں۔ کہ سچ مچ جنون ہوتا ہے ہر آدمی کا کام نہیں۔ کہ کاتا اور لے دوڑی۔ لوگوں نے کھایا پیا پوری جیب صاف کر دی۔ کہئے بنک میں کوئی پیسہ باقی رہ گیا یا نہیں۔ اوہ اُف خدا کی مار الیکشن پر۔ توبہ توبہ نوج کسی کو ایسا سودا ہو۔ یہ بھی خدا کی مرضی تھی۔ کہ سودا بھی ہوا۔ تو الیکشن کا۔ وہ جو کسی نے

کہا ہے۔ کہ ریس کی ٹھیس اور الیکشن کی مار سے انسان بچتا ہی نہیں ہے۔ ابھی کیا ہے۔ ابھی تو سر میں درد ہوتا ہے۔ کل کو اور کچھ ہوگا۔ مگر یہ سب مجھے کیا کہتے ہو۔ تم خود سوچو۔ اور تمہیں خود غور کرو۔ میں تو پہلے ہی سے جانتی تھی۔ اور اس سے بے خبر نہیں تھی۔ اور اسی لئے منع کرتی تھی۔ بیسوں کی خوشامد کی۔ جس کا کبھی منہ نہ دیکھتے۔ اس کی پیٹھ دیکھی۔ جس سے کبھی بات نہ کرتے۔ ان کے آگے گڑگڑائے۔ اور بھیک مانگی اور یہ کیا ہے۔ بھیک مانگنا نہیں۔ تو پھر اور کیا ہے۔ کسی سے عداوت اور دشمنی ہوئی پیسہ تباہ ہوا۔ اور پھر نتیجہ کبھی کچھ نہ نکلا۔ خیر چلو۔ یہ تو ہوگیا۔ اب آیندہ کیا ہوگا۔ اور کس الیکشن کی تیاری کر رہے ہو۔ میں جانتی ہوں۔ آپ کے کان پکڑنے سے کچھ نہیں ہوتا ہے۔ ابھی جب قرضداروں کی مار پڑے گی۔ تو دیکھنا کیا ہوگا۔ میری تو جان غضب میں آگئی۔ گھر میں چار ملازم جب سے سال شروع ہوا۔ چاروں نے تقاضا کرنا شروع کر دیا۔ کہ تنخواہ میں اضافہ کیا جائے۔ میں اس وقت تو کسی نہ کسی طرح ٹال دیا۔ مگر اب میں ان کو کہاں تک ٹالوں گی۔ اور اگر ٹالتی رہوں گی۔ تو وہ بھی ایک دن کام کرنا چھوڑ دینگے۔ اور جو کہوں کہ کچھ انہیں دے دیا جائے۔ تنخواہ بڑھا دی جائے۔ تو دیا کہاں سے جائیگا۔ غرضیکہ ہر طرف سے اب مصیبت اور پریشانی نے گھیر لیا ہے

خدا کی پناہ - تمہارے الیکشن نے سارا کام بگاڑ دیا - اب ان لوگوں کو کیا کہہ کر سمجھاؤں - کہ میاں سارا روپیہ جوئے میں ہار گئے - یا الیکشن میں صرف ہو گیا - وہ کہیں گے - کہ پھر اس کی ذمہ داری ان پر کیا ہے - اور سچ بھی ہے - کوئی انہوں نے تو لگا نہیں دیا تھا - کہ آپ الیکشن میں کھڑے ہوں - اور سارا روپیہ برباد کر دیں - اور اسی پہ کیا منحصر ہے - کچھ یاد رکھا کرو - ابھی تو اور بھی بہت سی باتیں ہیں - پچھلے ہی سال تو آغا خان محمد سے اونی قالین خرید گئے تھے - جب بھی میں نے کہا تھا - کہ یہ دو ہزار روپے کے قالین اس وقت نہ لو - جب کوئی کام کاج ہوگا - تو دیکھا جائیگا - خیر میں نے وہ تو کسی نہ کسی طرح کاٹ کپٹ کر ایک ہزار سے کچھ ہی زیادہ ادا کر دیا - لیکن اب جو باقی رہ گیا ہے - وہ کیسے ادا ہوگا نتیجہ یہ ہوگا - کہ وہ بھی کچہری کی طرف دوڑیں گے - ہے ہے کس بلا میں کمبخت الیکشن نے پھنسا دیا - دیکھئے عزت رہتی ہے - یا نہیں - جس کا باقی ہوگا سو وہ تو سبھی کچھ کہے گا - یہی تو کہتی ہوں - کہ آدمی کی عزت آدمی کے ہاتھ میں ہوتی ہے - مگر تم جو کسی کا کہا مانو - تم تو بالکل پاگل اور دیوانے ہو جاتے ہو - اب بھگتو میں کیا کروں - میری نصیب میں بھی جلنا تھا - جل رہی ہوں - اور جو کچھ خدا کو منظور ہوگا - وہ بھی ہوگا - مگر تم آیندہ پھر الیکشن میں کو دپڑنا - اور جو کچھ باقی رہ گیا ہے - اُسے بھی نکی پر رکھ دینا - میں

جانتی ہوں۔آج تو توبہ توبہ کرتے ہو۔اور کل ہی پھر نہ الیکشن میں کود پڑو۔تو ہمارا ذمہ۔بڑے آئے وہاں سے قوم کا کام کرنے والے۔اسی طرح قوم کا کام کیا جاتا ہے۔گھر میں بھونجی بھانگ نہیں۔اور چلے وہاں سے قومی خدمت کرنے۔پہلے اپنے میں اتنی سکت تو پیدا کرو۔ ساری عمر تو بیٹھے بیٹھے کام کرتے رہے۔اب جو دوڑنا پڑا۔تو پتہ چل گیا ہوگا۔کہ کیا ہوتا ہے الیکشن میں میں تو سچ کہتی ہوں۔کہ میں کبھی نہ منع کرونگی۔مجھے کیا ضرورت۔میں نے ہزاروں بار تجربہ کر کے دیکھ لیا۔تم مردوں کی عقل عورتوں سے زیادہ ہوتی ہے۔تم بھلا عورتوں کا کہنا کیوں ماننے لگے۔یا تو یہ حال تھا۔کہ ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے پاتی تھی۔اور یا اب ہر ایک سے منہ چھپانا پڑے گا۔جب کماؤ گے کماؤ گے۔ابھی تو کہیں سے ملنے کا سہارا نہیں۔

سینما دیکھنے پر

تم کہتے ہو۔ میں بڑا غصہ ور ہوں۔ ہو گا تمہارا غصہ۔ میں تمہارے غصّہ کی کب پروا کرتی ہوں۔ اگر تم کو غصہ ہے تو مجھ کو بھی غصہ ہے کہو تو اپنا غصّہ دکھاؤں ؟۔ دُنیا میں تمہیں تو ایک انسان ہو۔ اور کوئی دوسرا تھوڑا ہی ہے۔ جب دیکھو سینما جب پوچھو سینما۔ سینما نہ ہوا دال بھات ہو گیا۔ میں کہتی ہوں۔ کہ آدمی کیا عمر بھر سینما ہی دیکھ کر گذر کرتا ہے۔ یہ تو گھر برباد کرنے کی نشانی ہے۔ وہی کہ دوسروں کو نصیحت اور خود کو فضیحت شام ہوئی۔ اور دوستوں کی دروازے پر رسد لگ گئی۔ سینما روانہ ہو گئے۔ بھلا حساب تو کرو۔ کہ تم کتنا روپیہ سینما دیکھنے میں خرچ کرتے ہو۔ اگر یہی روپیہ بنک میں رکھ دیا ہوتا۔ تو وقت پر کام چلتا۔ اس میں کچھ نہیں تو بیس روپے مہینے میں ضرور خرچ ہوتے ہونگے اب ذرا بتاؤ تو کہ اس بیس روپے میں کیا کیا کام ہو سکتا تھا۔ مہینہ ختم ہوتے ہی گھر میں ایک ایک پیسے کی محتاجگی ہو جاتی ہے۔ اور بغیر پہلی تاریخ کے دُنیا

کا کوئی کام نہیں ہو سکتا۔ اگر آتا ہی۔ وہ پیسہ جس کو تم سینما بازی میں لٹاتے ہو۔ پڑا رہتا تو کیا دوسرے موقع پر کام نہ آتا۔ مگر یہ تو میرے کہنے سے تم کو ضد ہو جاتی ہے۔ جب میں کہتی ہوں سینما نہ جاؤ۔ تو ضرور جاتے ہو۔ یہ میں جانتی ہوں۔ کہ دنیا میں اور کسی چیز سے تمہیں شوق نہیں ہے۔ اور کوئی کھیل تماشہ نہیں دیکھتے ہو، تو اس کے لئے بھی کوئی اصول ہونا چاہئے۔ مہینے میں چار روز تمہارے شوق کے لئے کافی ہیں۔ مگر تم نے تو جیسے قسم کھا لی ہے کہ مہینہ میں کسی دن بھی ناغہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں تمہیں کو تو ایک سینما بازی کا شوق ہے۔ اور کیا کسی کے آنکھیں نہیں ہیں۔ اور کسی کا دل نہیں چاہتا ہوگا۔ مگر نہیں، تم کو تو جیسے افیون کا نشہ ہو گیا ہے۔ کہتے ہو نگاہ کمزور ہوتی جاتی ہے، نگاہ کیوں نہ کمزور ہو۔ روز تو تم سینما دیکھنے جاتے ہو۔ پھر بھلا آنکھوں پر کیوں نہ اثر ہو۔ دن میں بارہ گھنٹے تو دفتر میں آنکھوں سے کام لیتے ہو۔ ننھے ننھے حرف لکھتے پڑھتے ہو۔ اور رات میں سینما دیکھتے ہو۔ پھر تمہیں بتاؤ۔ نظر کیوں نہ کمزور ہو۔ چوبیس گھنٹے میں چار گھنٹے تو آرام کے لئے نکالنا ہی چاہئیں۔ مانا کہ خدا نے آنکھیں دیکھنے کے لئے دی ہیں۔ مگر آرام کے لئے بھی تو ایک وقت دیا ہے۔ کام کے وقت کام۔ اور آرام کے وقت آرام سے کبھی نقصان نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ ادھر تو مہینے میں بیس روپے سینما والوں کی نذر کرتے ہو۔ اور پھر جب آنکھوں

میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ تو ڈاکٹروں کے پاس دوڑتے ہو۔ دس بیس روپیہ دوا میں خرچ کرتے ہو۔ سو پچاس روپیہ ڈاکٹروں کی جیب میں ڈالتے ہو۔ اور پھر بھی آرام نہیں ہوتا۔ آرام کیسے ہو۔ ادھر دوا بھی کئے جاتے ہو اور اُدھر سینما میں بھی دوڑے جاتے ہو۔ اگر یہی روپیہ مہینے میں اپنے دل و دماغ پر خرچ کرتے۔ تو دفتر میں دوگنا کام کر سکتے۔ کچھ ترقی کی بھی اُمید ہوتی۔ افسر سمجھتا۔ یہ بڑے کام کا آدمی ہے۔ مگر وہاں تو دفتر کا کبھی پورا کام بھی نہ ہو سکتا ہوگا۔ اور ہو بھی کیسے، رات بھر سینما میں گزار دوگے تو دفتر میں نیند آئیگی ہی۔ اور اس کا نتیجہ بھی کچھ ہونا چاہئے۔ کہ ایک تو پورا کام نہ ہوگا۔ دوسرے جو کام ہوگا۔ اُس میں بھی سینکڑوں غلطیاں۔ جرمانے ہونگے۔ تنخواہ کٹے گی۔ گھر کا خرچ پورا نہ ہوگا۔ یہی ہائے ہائے مچی رہیگی۔ مگر تم ایک کان سُنتے ہو۔ دوسرے سے اڑا دیتے ہو۔ نہ کسی کے کہنے سُننے کا دھیان، نہ خدا کا ڈر۔ کہنے کو تو بڑے کٹھ ملّا بنتے ہو، مگر سینما دیکھنے میں عذاب کا دھیان آتا ہے۔ نہ ثواب کا۔ اور اور باتوں میں شرع دیکھی جاتی ہے۔ مگر سینما کے معاملہ میں کسی شرع کی ضرورت نہیں۔ تمہاری طرح سے لوگوں نے مذہب کو کھیل تماشہ بنا رکھا ہے۔ خدا نہ کرے۔ کہ تمہاری طرح اور کسی کو سینما دیکھنے کا شوق پیدا ہو۔ روپیہ برباد، صحت خراب اور گناہ کا تو تم کو خوف ہی

نہیں آسکا۔ تم تو پڑھ لکھ کر آئے ہو۔ جنت تمہاری ملکیت ہے۔ پھر بھلا تم کو کیوں خیال ہونے لگا۔ اُف اوہ رے خدا۔ ان سرکاری دفتروں میں بھی ہفتہ میں ایک دن اسی لئے تعطیل ہوتی ہے۔ کہ لوگ آرام کریں مگر تم سینما دیکھنے میں کسی دن تعطیل نہیں کرتے۔ ایسی لت کس کام کی جو انسان کو دین و دنیا دونوں سے کھوئے۔ ایمان کا تم کو کچھ دھیان ہی نہیں اور اب دُنیا کی بھی کوئی پروا نہیں۔ یہی کیا کم ہے۔ کہ پرسوں تمہارے ماموں بمبئی جیسے مقام سے آئے۔ اور آنے کے دو دن پہلے تم کو اسٹیشن پر آنے کے لئے تار بھی دیا۔ کہ ٹھیک وقت پر پہنچنا، منتظر رہنا۔ مگر تم کو سینما سے کب فرصت کہ تم اُن کا انتظار کرتے، ساتھ گھر لے کر آتے، عزت سے ٹھہراتے۔ بیچارے اتنے دنوں بعد خود ہی تم کو دیکھنے آئے تھے۔ کچھ اُن کی خاطر تواضع کرتے۔ خیر یہ سب باتیں چولھے بھاڑ میں گئیں اُن بیچاروں کو گھر کا پتہ بھی نہیں معلوم تھا، گھنٹوں پریشان ہوئے تو گھر ملا۔ سینما دیکھنے جاتے وقت اُن سے ملاقات بھی نہ کی۔ خدا تمہاری سینما بازی کو سلامت رکھے۔ جس سے وہ تمہاری صورت بھی نہ دیکھ سکے بھلا وہ کیا کہتے ہونگے۔ اب بتاؤ۔ یہ کوئی عقلمندی ہے۔ پھٹکار ہے تمہاری اس سینما بازی پر، کہ جس سے عزیز و اقرباء سے تعلقات بھی چھوٹے جاتے ہیں۔ وہ اپنے دل میں کیا خیال کرتے ہونگے، اور کیا سوچتے ہونگے۔ کہ

کیسے بھلے بھانجے کو دیکھنے گئے تھے۔ کہ جس نے سینما بازی میں ماموں کا اتنا بھی خیال نہ کیا۔ کہ کوئی مہمان ہمارے گھر آیا ہے۔ اور اس پر بھی کہتے ہو۔ کہ میں بڑا پڑھا لکھا ہوں۔ اچھا تم پڑھے لکھے سہی۔ مگر یہ تمہاری عقل کو کیا ہو گیا ہے۔ دُنیا کے سارے کام پڑے رہ جاتے ہیں۔ مگر سینما دیکھنا کسی دن بھی بند نہیں ہوتا۔ اب بتاؤ۔ کہ اچھی بھلی برساتی۔ پندرہ روپے کی تم نے کھو دی۔ دفتر پانی برستے میں یونہی جانا پڑے گا۔ جاؤ۔ پھر کوئی کیا کرے۔ اگر تم کو کچھ اپنا خیال ہوتا۔ تو مہینہ بھر سینما نہ دیکھتے وہی روپیہ آج کام آتا۔ برساتی خرید لیتے اور دیگر دس ضرورتیں اور بھی پوری ہوتیں۔ مگر بھلا تم کو اس کا کیا خیال۔ سویرے دس بجے تک اونگھا کرتے ہو۔ اور کچھ نہیں۔ جب رات بھر سینما دیکھو گے۔ تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا۔ ہاں ہم کو معلوم ہے۔ کہ لارنس اینڈ کو کمپنی سے بل آگیا ہے۔ چالیس روپے عینک کے دام دینے ہیں۔ پھر ادا کرو۔ مجھے کیا کہتے ہو۔ کچھ میرے پاس تم نے کوئی رقم تو جمع کرنے کو نہیں دی تھی۔ کہ میں نکال کر دے دوں۔ جب تم کو سینما دیکھنے سے چھٹی ملے۔ تو گھر میں پیسے بھی جمع ہو سکیں۔ اب جاؤ منیجر سینما سے اپنی عینک کا بل بھی ادا کرا دو۔ جہاں ہزار ہا روپیہ سینما دیکھنے میں خرچ کرتے ہو۔ اور جہاں سے یہ بیماری ساتھ لائے ہو۔ کہ عینک خریدنا پڑی

جتنا کماتے ہو۔ اس کا سب سے بڑا حصّہ سینما دیکھنے میں خرچ کر دیتے ہو، گھر میں کانی کوڑی بھی نہیں بچتی اب یہ بل کہاں سے ادا کیا جائے اگر آج وہی روپیہ موجود ہوتا۔ تو ایک بل کیا۔ ایسے نہ معلوم کتنے بل ادا کئے جا سکتے تھے۔ مگر نہ تم سینما دیکھنا چھوڑو گے۔ اور نہ بل کی ادائگی ہی ہوگی۔ گھر کی الگ بربادی ہے، میں کہاں تک اپنی جان کھپاتی رہونگی میرا دل بھی تو چاہتا ہے کہ میں سینما دیکھوں، اپنے لئے کچھ خریدوں، بچوں کے کپڑے لتّے درست کروں۔ مگر کہاں سے کروں۔ جو تنخواہ کی بچت ہوتی ہے۔ وہ تمہاری سینما بازی کی نذر ہو جاتی ہے۔ اور یہاں صرف خیال ہی رہ جاتا ہے۔

خانگی معاملات پر

تم اپنے سوا اور سنتے کس کی ہو۔ نہ اکیلے دکیلے کی تم کو پروا، نہ دیر سویر کا دھیان، نہ اچھے برے کی فکر۔ اپنا جب جی چاہا آئے۔ جب جی چاہا گئے۔ کوئی کب بات چیت کرے۔ کب کچھ کہے سُنے۔ اور اگر کہے بھی۔ تو تم سنتے کب ہو، ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ کہ میں نے خدا جانے کیا کیا کہا۔ مگر تم نے بھی کوئی نہ سُنی۔ میں چیختی رہ گئی۔ اور تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلتے بنے۔ بھلا ایسی جب حالت ہو۔ تو گھر کی اچھی بری بات کس سے کہی جائے فرشتوں سے؟ ۔ اگر کسی کام میں صلاح کی ضرورت ہو۔ تو کس سے لی جائے۔ اگر کچھ بھلا برا پوچھنا ہو۔ تو کس سے پوچھا جائے؟۔ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جن کو تنہائی میں بتانا ہی مناسب ہوتا ہے۔ خدا کے فضل سے گھر میں اور کوئی ہے بھی تو نہیں۔ ایک لے دے کے تمہیں ہو۔ یا میں، تو پھر بتاؤ۔ کہ آخر کیا ہو۔ تم سمجھتے ہو۔ کہ گھر کی ذمہ داری صرف مجھی پر ہے

تو پھر کاہے کو اتنی باتوں میں بھلا رکھا ہے۔ جب تم سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ تو یہ سب کارخانہ دکھانے کے لئے کیوں بنا رکھا ہے۔ بہتر ہے۔ باہر تک کے سب نوکروں کو جواب دے دو۔ اور کسی ہوٹل میں ایک کوٹھڑی لیکر رہنا شروع کر دو۔ گھر کی الجھنوں سے چھٹکارا مل جائے گا۔ مَیں بھی روز روز کی دانتا کل کل سے چھٹی پا جاؤنگی۔ مَیں اور میرا ایک بچہ، کون بڑا بھاری خرچ ہے۔ پاؤ بھر آٹا تو دونوں وقت کھاؤں گی۔ اور پھر مَیں بھی اپنے باپ کے گھر چلی جاؤں گی۔ نہ گھر کی کوئی فکر ہو گی۔ نہ نون تیل لکڑی کا جھگڑا باقی رہے گا۔ خدا کے فضل سے وہاں ایسے ایسے ایک دو نہیں۔ نہ معلوم کتنے نوکر کام کر رہے ہیں۔ مزے سے پلنگ پر بیٹھی رہوں گی۔ جو سب کھائیں گے مَیں بھی کھاؤں گی، جو سب پہنیں گے مَیں بھی پہنوں گی۔ خدا کے فضل سے وہاں سب کچھ ہے۔ کسی چیز کی کمی تھوڑی ہی ہے پھر اور کیا کروں گی۔ ایک کہاوت ہے، کہ کھلائے گھی شکر لگائے ایک ٹکر۔

تو تمہاری تو یہی مثال ہے۔ اس بیکسی میں جینا کس کام کا، بہت روپیہ لائے۔ بہت چیزیں لائے۔ تو میرے کس کام کا غضب خدا کا، ہفتوں گزر جاتے ہیں اور بات کرنے کو ترستی ہوں۔ کسی کام کے لیئے کہنا تو در کنار۔ کوئی ضرورت ہو۔ تو گونگی بہری بنی بیٹھی رہتی ہوں آج کتنے دنوں سے سوچ رہی تھی۔ کہ تم سے کہوں گی۔ کہ ایک

ایکتان تن زیب لادو۔ میری ساڑھیاں پھٹ گئیں ہیں۔ مگر تم کو بات کرنے کی کہاں چھٹی۔ اگر بھوک نہ لگے تو شاید تم مکان کے اندر پیر ہی نہ رکھو۔ ارادے ہی ارادے میں ایک ہفتہ گزر گیا۔ اور تم ایک طرف آئے اور پرچھائیں کی طرح دوسری طرف غائب ہوگئے۔

تمہاری طرح دنیا میں شاید ہی کوئی ہو، کسی بات پر دھیان ہی نہیں دیتے۔ اب میں بھی ہر کام کو ایسے ہی ہونے دونگی۔ چاہے بنے چاہے بگڑے۔

بیس ہزار بار تم سے کہا ہوگا۔ کہ پچھلے کمرے کا دروازہ بہت بوسیدہ ہو رہا ہے۔ اگر ذرا سا بھی جھونکا لگ جائے۔ تو زمین پر گر پڑے۔ مگر تم کو کیا فکر، اگر کہیں کسی دن کسی کے اوپر گر گیا۔ تب تو پھر اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ یہ نہ ہوا کہ دیکھتے اور اُسے ٹھیک کرانے کی کوشش کرتے۔ اگر تم خود نہ کر سکتے۔ تو مالک مکان سے سمجھا کر کہتے۔ کہ وہ بنوائے۔ نہ بنوائے تو مکان چھوڑ دو، کیا گھر ہی میں غصہ دکھانے کو ہو۔ باہر بھیگی بلی بنے رہتے ہو۔ آگ لگے اِس گھر میں، کہیں سے بھی ٹھیک ٹھکانے کا نہیں ہے، جہاں پیر رکھو۔ زمین دھنستی چلی جاتی ہے۔ جہاں کیل گاڑو دیوار اُکھڑتی چلی جاتی ہے۔ مگر تم کو کیا۔ تم تو کہیں دو چار گھنٹوں کے لئے مہمان کی طرح آجاتے ہو۔ آخر یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ نہیں۔ کہ جو

تمہارے کانوں میں ڈالتی ۔ بھلا اِن کو سُن تو لیتے ۔ نہ سہی کچھ اَور

پرسوں رات سے نہ معلوم کون بدمعاش ڈھیلے پھینکتا ہے۔کل ایک ڈھیلا بیچاری رم رتیا کے پاس گرا ۔ وہ چار کے برتن دھو رہی تھی ۔ وہ تو خدا نے بچا لیا ۔نہیں تو بیچاری کی کھوپڑی لہو لہان ہو گئی ہوتی ۔اور برتنوں کا الگ نقصان ہوتا ۔ دس پندرہ روپے کا سٹ چکنا چور ہو جاتا ۔ مَیں اکیلی کیا کر سکتی تھی ۔ بیچاری رم رتیا کو ٹھے پر سے چیخ چلا کر چُپ ہو رہی ۔ آج پھر ڈھیلے آئے ، کہیں یہ باتیں عورتوں کے بس کی ہیں مرد ہوں ۔تو دیکھیں بھالیں ۔ لوگوں سے پوچھیں ۔چار محلے والوں کو جتائیں پولیس میں رپٹ لکھائیں ۔ جانچ پڑتال ہو ۔ مگر تم کو ان باتوں کو سُننے اور کرنے کا موقع کہاں ۔ صبح ہوئی ۔کہ جلدی جلدی دفتر جانے کی تیاری کرنے لگ گئے ۔ شام ہوئی تو دوستوں سے کہاں چھُٹی ۔اگر کسی طرح اُن سے چھٹکارا ملا ۔ تم تو سارے شہر کا چکر لگائے بغیر کب مانتے ہو ۔اور پھر ایسے وقت واپس آتے ہو ۔کہ جب آدمی دن بھر کا تھکا ماندہ سوتا رہتا ہے ہانپتے آئے ۔اور کانپتے چل دئے ۔

میرا کام بتانا ہی تو ہے ۔کرنا نہ کرنا تمہارا ہے ۔ اگر مَیں گھر سے نکلتی ہوتی ۔تو مجھ کو تمہاری پروا بھی نہ ہوتی ۔مَیں آپ ہی یہ سب کام کر لیتی نام تو ہے ۔کہ گھر میں مرد ہے ۔مگر تم عورتوں سے بھی گئے گزرے ہو ۔

خدا محفوظ رکھے۔

اچھا تو تم یہی کہہ دو۔ کہ مجھ سے یہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ تو میں بھی تم سے کہنا چھوڑ دوں۔ اور جو کچھ خدا کی مرضی ہوگی۔ وہ تو ہو ہی رہیگا میرے بس میں اس کے سوا اور کیا ہے۔ کہ جو کچھ گزرے تم کو بتاؤں۔ جو بات ہو۔ کہوں۔ سنو نہ سنو۔ میں عورت ذات ناقص العقل تو ہوں ہی۔

میں کیا جانتی نہیں۔ کہ اپنے گھومنے پھرنے کے لیئے روز دفتر کا بہانہ کیا کرتے ہو، اور روز کا کام دس بجے سے پانچ بجے تک دفتر میں بیٹھکر کیا کرتے ہو اور پھر ۶ بجے شام سے بارہ بجے رات تک گھوم پھر کر کام کرتے ہو۔ اور مجھ کو بیوقوف بناتے ہو۔ جیسے میں ایسی بیوقوف ہوں۔ کہ کچھ سمجھتی ہی نہیں۔ میں تو سوچتی ہوں ہوگا۔ دن بھر دفتر میں ماتھا پچی کیا کرتے ہیں۔ شام کو گھوم گھام لیں۔ مگر گھومنا کیا ہوا۔ تماشہ ہوا۔ کہ کسی دن ناغہ ہی نہیں ہوتا۔ آدمی کسی دن تو اپنے گھر کی خیریت پوچھ لیتا ہوگا۔ تمہارے ہی دفتر میں روز رجنؔ کام کرتا ہے۔ اور پھر دوسروں کی ماتحتی میں۔ مگر ٹھیک دس بجے جاتا ہے۔ اور چار بجے گھر چلا آتا ہے۔ اور پھر چار بجے کا آیا۔ دوسرے دن دس بجے ہی دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلتا ہے۔ آخر وہ بھی تو گھر کا اکیلا ہی ہے۔ نہ کوئی دوسرا نہ تیسرا۔ دفتر کا کام کرتا ہے، گھر کا سودا سلف خریدتا ہے اور

شام کو اپنے چھوٹے بچے کی انگلی اپنے ہاتھ میں پکڑتا ہے۔ بچی کو گود میں لیتا ہے۔ اور تھوڑی دیر گھوم آتا ہے۔ یہ نہیں کہ تمہاری طرح صبح کا گیا کل دوسرے ہی دن صبح کو گھر واپس آئے۔ اگر ایسا کرتا۔ تو کاہے کو بھلا اس کا گھر بار درست رہتا۔ دیکھو کتنا چھوٹا سا مکان ہے۔ مگر گھر کو درست بنائے رہتا ہے۔ اگر مزدور نہیں ملتے۔ تو خود ہی دھوتی باندھ کر ٹھیک ٹھاک کرتا ہے۔ ابھی بیچارے کی عمر ہی کیا ہے۔ مگر بدقسمتی سے سارا گھر گرہستی کا بوجھ اس کے سر پر پڑ گیا ہے۔ مگر وہ بھی نباہ رہا ہے۔ جدھر سنو اسی کی واہ واہ سنائی دیتی ہے۔ خدا کرے سب ایسے ہی ہوں۔ اور تم کو بھی کچھ اپنے گھر کا دھیان آوے۔

میاں میں ہی ایسی ہوں کہ اس حالت میں بھی نباہ کر رہی ہوں۔ اگر کوئی دوسری ہوتی تو تمہیں بھی معلوم پڑتا۔ یہ روز روز کا گھومنا پھر سب غائب ہو جاتا۔ میں جو چپ رہتی ہوں۔ تو تم مجھ کو اور جلاتے ہو اور پریشان کرتے ہو۔ اور میں اپنا فرض سمجھ کر یہ سب کچھ برداشت کر لیتی ہوں۔ کیا کروں خدا نے ہی مجھے بدنصیب بنا دیا ہے۔ نہیں معلوم میں اپنے ماں باپ کو کیوں کھل رہی تھی۔ کہ لیکر کنوئیں میں ڈال گئے۔ خدا ان کا بھلا کرے۔ اگر میں انتظام نہ کروں تو گھر میں چوہے لوٹنے لگیں۔ خیر جب تک مجھ سے بن پڑتا ہے کر رہی ہوں۔ اور جب ایسے ہی پریشان کرتے رہو گے۔ تو میں بھی لات

مار کر چلی جاؤں گی
کبھی یہ نہ ہوا۔ کہ سیدھی طرح بات کرتے، کچھ ہماری سُنتے کچھ اپنی کہتے۔ ہائے مَیں کیا کروں۔ تم کو تو بولنا بھی دوبھر ہو جاتا ہے۔ جب باہر رہتے ہو۔ تب تو خوب دوستوں میں چہکتے ہو۔ مگر جب گھر میں آتے ہو تو بالکل گونگے بہرے بن جاتے ہو۔ اول تو ایسا موقع ہی کم آتا ہے۔ اور اگر کوئی نہیں ملتا۔ تو گھر میں پیر رکھتے ہی پڑ کر سو جاتے ہو۔ یا خدا کیا کاغذ قلم دوات لئے اُلٹ پلٹ کیا کرتے ہو۔ یہ ہیں تمہاری کرتوت۔ اپنا پرایا بھی تو کوئی نہیں ہے۔ کہ جس سے کچھ اپنے جی کا حال کہوں۔ تھوڑی دیر کے لئے دلجوئی کرسکے ایک قید خانہ میں ڈالدیا ہے۔ خود مزے کرتے ہو مَیں گھر میں اکیلی بیٹھی اپنی قسمت کو رویا کرتی ہوں۔

مکان بدلنے پر

دیکھو آخر تم نے میرا کہا نہ مانا۔ اب وہی بھگتنا پڑ رہا ہے۔ یا نہیں؟ کیسا اچھا خوبصورت، کھلا ہوا ہوا دار مکان چھوڑنا پڑا۔ میں جو پہلے کہتی تھی۔ کہ زیادہ فضول خرچیاں نہ کرو۔ کرائے میں پندرہ دن کی دیر ہوتی اور یہ نتیجہ ہوا۔ اب دیکھو نا۔ پہلے تو اُس سے پانچ روپے زیادہ کرایہ دینا پڑے گا۔ اور پھر یہ کسی کام کا نہیں ہے۔ کیا کروں۔ مجھے تو جیسے یہ مکان کاٹے کھاتا ہے۔ ابھی تو صرف دو ہی دن آئے ہوئے ہیں۔ جان سوکھی جاتی ہے نا۔ بابا میں تو اس میں ہرگز نہ رہوں گی، مجھ سے تو ایک منٹ بھی اس میں نہ رہا جائے گا۔ ذرا دروازوں کو تو دیکھو بھلا اِن سے کون نکلے گا، جو نکلے گا۔ اُس کی کھوپڑی لہولہان ہو جائیگی یہ چھتیں تو جیسے سر پہ رکھی ہوئی ہیں۔ میں پوچھتی ہوں۔ کہ بھلا تمہارے دوست جن کی یہیں ڈوری لگی رہتی ہے۔ وہ جب آئیں گے۔ تو کہاں بٹھاؤ گے۔ یہی لے دے کے ایک کمرہ ہے۔ اس میں چاہے ہم لوگ

رہیں۔ چاہے تمہارے دوست بیٹھیں۔

اور یہ باورچی خانہ ہے کہ پاخانہ۔ بھلا اس میں بیٹھ کر کون کھانا پکائیگا کہیں سانس لینے کی جگہ نہیں ہے۔ کہاں اس میں برتن سمائیں گے۔ کہاں لکڑیاں رکھی جائیں گی۔ کہاں چولھا بنے گا، کہاں جنس کا ٹھکانہ ہے ساری چیزیں بیکار جائیں گی۔ چھت کو تو دیکھو۔ بالکل کالی کوئلہ ہو رہی ہے بھلا کوئی کیسے سنبھال کر کھانا تیار کریگا۔ جو چیز بنائی جائے گی۔ اور ذرا بھی برتنوں کا منہ کھلا۔ کہ منوں مٹی سما جائے گی۔ چھت سے کالکھ گر کر سب کوئلہ کر دیگی۔ سینکڑوں من تو کونوں میں کوڑا کرکٹ بھرا ہوا ہے۔ کوئی دیوار ایسی نہیں ہے۔ کہ جس میں منحوس مکڑی کا جالا نہ لگا ہو۔ اور میں کہتی ہوں۔ آدمی دیکھ سن لیتا ہے۔ مگر تمہاری سمجھ میں اتنا بھی نہ آیا کہ اس میں آدمیوں کو رہنا ہے کہ جانوروں کو۔ تم کو کیا۔ تم تو سرائے کے مسافروں کی طرح کہیں دو ایک گھنٹے کے لئے آجاؤ گے۔ میں تو گھبرا گھبرا کر مر جاؤنگی۔ کہیں ہوا کا گزر نہیں ہے۔ کمرے تو دیکھو بالکل کبوتر خانے ہو رہے ہیں۔ جس میں نہ ہوا آنے کا راستہ۔ نہ روشنی کا پتہ۔ دھوپ تو کبھی کا ہے کو آنے لگی۔ بدبو سے دماغ کا ہے کو باقی رہے گا۔ توبہ توبہ اور تو اور ذرا پاخانے کو تو دیکھو۔ بالکل راستے میں تو اس کی نالیاں بنی ہوئی ہیں۔ آنے جانے والوں کو تو قے ہو جائیگی۔ اور میرا

تو جو کچھ حال ہوتا ہے۔ اُس کو خدا ہی جانتا ہے۔ چار چھ مہینہ زندہ رہنا تو بڑی بات ہے۔ دو ہی دن میں بُرا حال ہو گیا۔ اچھا میں کہتی ہوں۔ کہ جب کرایہ اتنا دینا تھا۔ تو کیا اور مکان نہ تھے؟۔ شہر میں سینکڑوں، ہزاروں مکان خالی پڑے ہونگے۔ مگر تم کیا کرو۔ تم کو تو کاہلی کے مارے اتنا موقع ہی نہیں ملتا۔ کہ کوئی مکان دیکھ بھال کر ٹھیک کرو۔ کھرے کھرے پچیس پچیس روپے آنکھ بند کر کے پیشگی گن دئے۔ سمجھے کہ محل مل گیا۔ تمہیں کیا غرض۔ کہ خود دیکھنے جاتے۔ اور اچھی بُری رائے قائم کرتے۔ تمہارے ہی دوستوں میں سے کسی کا ہوگا۔ اُس نے سمجھا ہوگا۔ کہ کون اتنا کرایہ دیگا۔ اور کون ایسی جگہ رہے گا۔ لاؤ۔ تم کو ہی پھانس لوں۔ بس تم سمجھے۔ کہ تاج گنج کا روضہ مل گیا۔ خدا بُرا کرے مکان بنانے والوں کا۔ ایک دروازہ۔ خدا کی پناہ۔ نہ دوسرا دروازہ نہ کھڑکی نہ جالی۔ چاروں طرف اندھیرا گھپ، کہیں ہاتھ مارا نہیں سوجھتا۔ دن میں لیمپ جلائے جائیں گے تو کہیں ان کمروں میں رہا جائیگا۔ اتنا اندھیرا ہے۔ کہ چاہے کوئی سانپ بچھو بھی ڈس جائے تو پتہ نہ چلے، اور انسان تڑپ تڑپ کر جان دے دے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ اس مکان میں اچھی بھلی صحت خراب ہو جائے گی یا نہیں۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ کوئی

بھی تو کو نہ ٹھیک ہوتا۔ کوئی جگہ تو ایسی ہوتی۔ کہ جہاں دم بھر بیٹھا جا سکتا۔ جگہ جگہ پہ تو سوراخ ہیں۔ کہیں چوہے اُچک رہے ہیں کہیں چھچھوندر چھچھوا رہی ہے۔ کہیں جھینگر اُلاپ رہے ہیں۔ کہیں چڑیوں کی بیٹ کا ڈھیر ہے۔ جس کوٹھڑی میں جاؤ۔ مچھر بھن بھن مچائے ہوئے جسم سے لپٹے جاتے ہیں۔ جان بچانا مشکل ہے۔ جب سے یہاں آئی ہوں سارے جسم کا خون کھٹملوں نے چوس لیا ہے۔

اُدھر پانی کا نل اپنی قسمت کو الگ رو رہا ہے، ہر وقت تُل تُل تُل تُل بہتا رہتا ہے۔ دو گز کا آنگن، آدھے میں نل کا پانی سوکھا کرتا ہے۔ آدھے میں نالی پھیلی ہوئی ہے۔ اب بتاؤ۔ اگر کوئی ذرا دیر کے لئے ہوا میں بیٹھنا اُٹھنا چاہے۔ تو کہاں بیٹھے اُٹھے؟۔ تم تو خیر دن بھر دفتر میں رہو گے۔ شام ہوگی۔ دوستوں کے ساتھ اِدھر اُدھر گھوم پھر آؤ گے، پارک کی ہوا کھاؤ گے۔ ۱۱ بجے رات تک کا وقت اس طرح گذر جائے گا سویرے تک کے چار گھنٹے رہنا نہ رہنا برابر ہے۔ رہ گئی میں۔ تو میں اسی میں اپنی جان کھپاتی رہوں گی۔ آج تو سارے گھر میں دھواں بھرا ہے۔ پانی برسے تو کیچڑ کے مارے پاؤں زمین پہ نہ دھرے جائیں گے۔ جاڑوں میں یونہی سیلن رہتی ہے۔ اب اگر ملیریا ہو جائے۔ تو کوئی تعجب نہیں۔ انفلوئنزا ہو جائے۔ تو کچھ دُور نہیں ہے، اور جو نہ ہو جائے۔ وہ تھوڑا

ہے۔ ایسے ہی گندے مکانوں سے تو بیماری پھیلتی ہے۔ کیا کہیں سے بیماری لائی تھوڑے ہی جاتی ہے۔ خدا کے فضل سے ہمارا مکان بالکل بیماریوں کا گھر ہے۔ یہ تم نے مکان نہیں لیا ہے۔ بلکہ میرے لئے قبر ڈھونڈی ہے۔ سنتے ہو۔ میری جان فالتو نہیں ہے۔ جو میں اس مکان میں رہوں گی۔ میں اس مکان میں ہرگز نہیں رہ سکتی۔ میں تو یونہی ابّا جان کے یہاں جانے والی تھی۔ دس دن کے بعد نہ سہی۔ دس دن پہلے ہی چلی جاؤں گی۔ بھلا میں کاہیکو اپنی زندگی برباد کروں۔ بیٹھے بٹھائے اپنی اچھی بھلی صحت کیوں خراب کرنے لگی۔ تم رہو اپنے دوستوں کو بلا کر رکھو۔ جنہوں نے اس مکان کے لئے صلاح دی ہے کچھ میں نے تو صلاح دی نہیں ہے، اور پھر ایسے گندے مکان کے لئے میں کیوں صلاح دینے لگی۔ مجھ کو کوئی مفت بھی رہنے کو دیتا تو میں نہ رہتی۔ اچھا تمہیں بتاؤ، اس مکان میں ایسی کونسی بات تھی۔ جس سے تم کو پسند آگیا۔ یہ بھی تو نہیں ہے۔ کہ تمہارے دفتر ہی کے قریب ہو۔ جب یہ بھی نہیں۔ تو کونسی ایسی خوبی اس مکان میں تھی۔ جس پر تم ریجھ گئے۔ پاس پڑوس میں ایک گھر بھی تو بھلے آدمی کا نہیں ہے۔ جو وقت بے وقت دل بہلا سکوں۔ کہیں موچی آباد ہیں۔ کہیں چمار، اور کہیں کوری بستے ہیں، کہیں دھوبی

ہیں۔کہیں گمہار۔اگر ضرورت پڑ جائے تو کسی سے ایک پیسے کا نمک بھی نہیں منگایا جا سکتا۔کون ان کے گندے ہاتھوں کی چیز کھائے گا۔ مجھ کو تو نام لیتے ہوئے بھی گھن معلوم ہوتی ہے، گھروں کو دیکھو۔تو متلی ہونے لگتی ہے۔دروازے کے سامنے سارے محلے کا کوڑا ڈھیر ہے سا گر پانی برسا تو گھر سے نکلنا بھی مشکل ہو جائے گا۔کیا کہتے ہو، جب مکان ملیگا۔تب ملے گا۔ابھی تو میری جان پر بنی ہے۔بازار بھی اس مکان سے دو میل ہے، اگر آدمی کی جان جاتی ہو۔تو ایک پیسے کی کوئی چیز میسر نہیں ہو سکتی۔یہ اندھا اپاہج گھسیٹا اگر ترکاری درکاری لینے جائیگا۔تو شاید لوٹ کر نہ آئے گا۔رحیا کو اگر ایک دن پہلے بھیجا جائے۔تو شاید دوسرے دن واپس آئے۔دال کا نمک تک میسر نہ ہوگا۔تمہارے دفتر جانے سے پہلے تو پکا پکایا کھانا مل جانا تو بڑی بات ہے یہ کہو۔کہ اگر واپسی پر بھی مل جائے تو غنیمت ہے کون ایسا تمہارا بڑا اسگا ہے۔کہ ہوا کی طرح جائیگا۔اور ہوا کی طرح واپس آئیگا۔نتیجہ یہ ہوگا۔کہ تم کو بھی دفتر جانے میں دیر ہوگی اور تمہارے حاکم ناراض الگ ہونگے۔تمہارے اوپر جرمانہ ہوگا مہینے پر تنخواہ کٹے گی۔اور خرچ میں کمی ہوگی۔

توبہ توبہ میں کیا کروں!۔افوہ اسی مکان میں بارش کیسے گزریگی

وہ دیکھو سامنے والے دالان میں دروازے کے پیچھے کتنی بڑی خندق ہے۔ جیسے بھیڑئیے کی ماند۔ خدا نہ کرے اگر کہیں بھولے سے کسی کا پاؤں اس میں پڑ جائے۔ تو چھٹی کا دودھ یاد آئے۔ اور کچھ ایک جگہ تھوڑا ہی یہی حالت مکان بھر میں ہے۔ جہاں پاؤں رکھو۔ وہیں ایک خندق، جہاں بیٹھ جاؤ۔ وہیں کی زمین دھنسنے لگتی ہے۔ جیسے پورا مکان کسی کوئیں یا تالاب کو پاٹ کر بنایا گیا ہو۔ یہی تو رہ رہ کر مجھ کو بڑا تعجب ہوتا ہے، کہ مکان کی زمین اتنی پولی کیوں ہے؟ چھتوں کا یہ حال ہے۔ کہ اگر بارش ہو جائے۔ اور دباؤ پڑ جائے تو ساری چھت زمین پر آجائے۔ دیواروں کا یہ حال ہے۔ کہ ہوا کے ساتھ پلاسٹر اُکھڑ کر اوپر آجاتا ہے۔ سارے مکان کو لونے نکھار کھا ہے۔ اب بھلا بتاؤ کوئی کہاں رہے کہاں بیٹھے۔ رات کو سوتی ہوں۔ تو مارے ڈر کے نیند نہیں آتی۔ دیواریں اتنی چھوٹی چھوٹی ہیں۔ کہ ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں کوئی پھاند نہ آئے۔ بدمعاشوں کمینوں کا محلہ ہے۔ کون جانے کسی کے دل میں کیا ہے۔ خدا ہی حافظ ہے

اور سنو، یہ دروازے میں کواڑ لگے ہیں۔ کہ چیڑ کی لکڑیاں ہیں۔ یا تماشہ۔ جو چیز ہے۔ عجیب۔ جیسے کوئی بچوں کا گھروندا بنا ہوا ہے۔ قسم کھا کر کہتی ہوں۔ کہ میرے یہاں تو اس سے اچھا مکان جانوروں

کے لئے بنا ہے۔ اُس میں چاروں طرف ہوا آنے کے لئے جالیاں تو لگی ہوئی ہیں۔ روشنی تو آتی ہے۔ چلو بس زندگی ہو چکی، ایک تو گھر ہی کے کام کاج کے جھنجھٹ کیا کم تھے۔ اب یہ دوسرا جھنجھٹ جو جان ہی لے کر ساتھ چھوڑے گا۔ مَیں یونہی برسوں سے بیمار ہوں ماس گھر میں تو جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ مگر تم کو کیا، جان جب کی جائیگی جائیگی تم تو آرام سے رہو گے۔ پھر مَیں نہ رہوں گی۔ تو نیا مکان بھی مل جائیگا۔ مگر مَیں کہے دیتی ہوں۔ کہ اس مکان کو بدلو۔ ایک دن سے زیادہ مَیں اس میں نہیں رہنے کی۔ اور ابکی جو مکان لو۔ وہ مجھے بھی دکھا دو۔ بلا سے، ایک مہینہ کا کرایہ گیا تو گیا، جان تو کسی طرح بچے۔

ترقی نہ ہونے پر

اے واہ - اس مہینہ میں بھی وہی تنخواہ - تم تو کہتے تھے - کہ اس ماہ میں ترقی ہوگی، ترقی ہوگی - مگر پھر وہی موچی کے موچی رہے - ترقی نہ ہوئی نگوڑ ماری سلطنت کا ملنا ہوگیا - جو ملنے ہی نہیں آتی - پھر بھلا میں کہتی ہوں - کہ اس نوکری سے کیا فائدہ - منٹ بھر کی دیر ہو جائے - تو چوٹی کٹ جائے - اور برسہا برس سے کام کرتے ہو - مگر چند ٹکیوں کا اضافہ نہیں ہوتا - کیا رات دن کی پسونی کا یہی نتیجہ ہے - آخر ہاتھ پاؤں کٹائے کیوں بیٹھے ہو - اپنا دیکھا کرو - کہیں اور ملے کر لو - اس کو لات مارو - آگ لگاؤ - بھاڑ میں جھونکو - رات دن پستے پستے آدھے رہ گئے ہو - اور ترقی کے نام پر ٹھینگا - صبح ہوئی تو صاحب کے بنگلہ بھاگے چلے جاتے ہو - رات ہوئی تو صاحب کے بنگلہ کا طواف کر رہے ہو - مگر میں روپلی کی ترقی تنخواہ میں نہ ہو سکی - نوج تمہارا ایسا دفتر کسی کا ہو - آدمی اسی لئے دن رات محنت کرتا ہے - جان کھپاتا ہے - کہ اس کا بدلہ ملے گا

حاکم خوش ہوگا۔ تو تنخواہ بڑھے گی۔ مگر یہاں کا عجب دستور ہے جیسے کوئی اچھا بُرا دیکھنے والا ہی نہیں ہے۔

کب سے سُنتی چلی آرہی تھی۔ کہ اگلے مہینہ ترقی ہوگی۔ مَیں بھی اپنے جی میں خوش تھی۔ آسرا لگائے بیٹھی تھی۔ کیا کیا منصوبے باندھے تھے مگر اللہ کی کرنی ساری خوشی خاک میں مل گئی۔ ایمان کی قسم اگر مَیں ہوتی۔ تو ایک منٹ نہ ٹھہرتی اور نگوڑی نوکری پر لات مار دیتی۔ دفتر کو آگ لگاتی۔ مگر تم ہو۔ کہ اپاہج بنے بیٹھے ہو۔ حاکم لوگ بھی سمجھتے ہونگے۔ کہ تم کر ہی کیا سکتے ہو۔ اسی لئے وہ ترقی بھی نہیں دیتے۔ کام لینے کو تو سب تھے۔ اب کوئی بات نہیں پوچھتا۔ جب میں جانتی کہ صاحب اپنی جیب سے بیس روپیہ بڑھا دیتے۔ اور کہتے کہ بابو یہ لو مَیں اپنے پاس سے دیتا ہوں۔ جب تک ترقی نہ ہو۔ سے صرف کرو۔ جب دیکھو صاحب کے یہاں ڈالی چلی جاتی ہے۔ جب دیکھو صاحب کے لئے مرغ پک رہا ہے۔ مکھن بلائی کی رسد لگی ہوئی ہے۔ اب بتاؤ کیا فائدہ ہوا۔ جب میں کہتی تھی۔ کہ یہ بنجر کھیت ہے۔ اس میں بیج نہ ڈالو۔ تو تم نے ایک نہ سنا۔ اب وہ ایک بھی کام نہ آیا۔

غضب خدا کا دس روپیہ تنخواہ پانے والے چپڑاسیوں کی

ترقی ہو گئی۔ پنکھا قلی جمعدار، مہتر، بھنگی سب کو ایک ایک مہینہ کی تنخواہ مل گئی۔ اور تم کو کسی نے پوچھا بھی نہیں۔ کیا صاحب لوگوں کا یہی انصاف ہے نا۔ میں نہ مانوں گی۔ تمہیں میں کچھ فہم ہے۔ ورنہ ترقی ہو۔ تو سب کی ہو۔ یہ کیا۔ کہ ایک کو تو ترقی دی جائے۔ اور دوسرے کو ٹھینگا دکھا دیا جائے۔

میں پوچھتی ہوں۔ کہ تم پڑھے لکھے نہیں ہو۔ کہ تم کو کام نہیں کرآتا ہے۔ یا کیا بات ہے۔ کہ جو سب کی ترقی ہوئی اور تم ویسے ہی نکھٹو رہ گئے۔ آخر کوئی تو بات ہوگی۔ دفتر میں غیر حاضر رہتے ہوگے کام نہ کرتے ہوگے۔ اِدھر اُدھر اُونگھتے رہتے ہوگے۔ انہوں نے ترقی روک دی ہوگی۔ تم نہ جاننے کو نہ جانو۔ میں تو جانتی ہوں۔ نہیں کیا ایسا دنیا میں اندھیر ہوتا ہے۔ کہ کھانے پینے کا سواد نہ لیٹنے بیٹھنے کا لطف نہ گھومنے پھرنے کا مزہ۔ جب دیکھو نگوڑ گٹ ٹ دفتر کا کام اٹم لگا رہتا ہے۔ ہفتوں میں بات چیت بات کرنے کو تم سے ترستی ہوں۔ اس پر یہ حال کہ ترقی نہ ہوئی۔ ہٹاؤ بھی اِس نوکری کو صبح ہی استعفٰی لکھ کر بھیجدو۔ آنکھ کھلی تو دفتر آنکھ بند ہوئی تو دفتر۔ اللہ رزاق ہے۔ اس نے پیدا کیا ہے۔ تو کھانے کو بھی دے گا۔ نہ گوشت پلاؤ۔ کھانا دال روٹی ہی پر

بسر کر لینا - یہ روز روز کی جھنجھٹ تو جاتی مٹ جائیگی - کسی کا منہ تو دیکھنا نہ پڑیگا -

آج بڑے صاحب نے بلایا ہے - کل چھوٹے صاحب کے یہاں حاضری دینا ہے پرسوں انجنیئر صاحب کے ساتھ بستہ بغل میں دبائے چلے جا رہے ہیں - آخر کام کی بھی کوئی حد ہوتی ہے - اور پھر اس پر طرہ یہ کہ معمولی معمولی چپڑاسیوں کی ترقی ہو گئی - اور تم بس تیلی کے بیل کی طرح پسائی تو کرتے رہتے ہو - مگر ترقی کے نام پر ٹھینگا -

دیکھو خوشامد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے - کیا پھل ملا - اوروں کو چھ چھ مہینہ میں ترقی ملے - اور تم کو دوسرے سال بھی ترقی نہ ملے - میرا تو خون کھول رہا ہے - تن بدن میں آگ لگی ہوئی ہے - جب آج ترقی نہ ملی تو اب کیا اُمید کی جائے - ایک ماہ بعد پھر ترقی ہوگی - عید کے پیچھے ٹر مشہور ہے - کون تمہارا ایسا سگا وہاں بیٹھا ہے - کہ جو تم کو اُٹھا کر چھ مہینہ کی تنخواہ ترقی میں دے دیگا - اب کیا اُمید - سب کو تین تین ماہ کی ترقی ہو گئی - اب کیا خاک ترقی ہوگی - بس جس کی قسمت میں ترقی ہونی تھی ہو گئی -

سوچا تھا - کہ اب کی مہینہ ترقی ہوگی - تو میں بھی منے میاں کا عقیقہ کر ڈالوں گی - اپنے تمام عزیز و اقارب کو مہمان بلاؤں گی - چھ ماہ کی

یکبارگی تنخواہ ملے گی۔ سارا کام بن جائیگا۔ تو وہ سارے منصوبے منصوبے ہی میں رہ گئے۔ اور ترقی نہ ہوئی۔ اب کہاں سے انتظام کرونگی پہلے پہل کا کام تھا۔ نگوڑا ایک سامان تھوڑا ہی کرنا ہوتا ہے۔ ہزار بکھیڑے ہزار جھگڑے ہوتے ہیں۔ پر جون کو جوڑا باگا پھاور سب ہی کچھ تو کرنا پڑتا ہے۔ اب کیا کروں گی۔ بس ہو چکا جو کچھ ہونا تھا۔ اگر یہ اُمید نہ ہوتی۔ کہ تنخواہ میں ترقی ہوگی۔ اور چھ مہینہ کی تنخواہ پیشگی ملے گی تو کچھ اور انتظام پہلے سے کرتی۔ گھر کے خرچ میں کفایت کا خیال رکھتی۔ ہر چیز میں کمی کرتی۔ یہاں کمبخت خیال تو یہ تھا کہ ترقی ہوگی اور چھ مہینہ کی تنخواہ بھی مل جائے گی۔ کس کو خبر تھی۔ کہ دُور کی ڈھول تھی۔

پرسوں سے سنتے سنتے طبیعت عاجز آگئی تھی۔ مگر خیر ایک اُمید تو تھی۔ پہلی ترقی میں نام نہ آیا صبر کیا۔ سمجھی کہ خیر اب کے سہی دوسری مرتبہ پھر گزٹ ہوا۔ اور نام ندارد اس مرتبہ بھی صبر کیا۔ پھر تیسری ترقی کا ہنگامہ کانوں میں پڑنے لگا۔ اب کے خیال تھا۔ کہ قسمت جاگے گی۔ مدتوں کی آرزو پوری ہوگی۔ مگر یہاں اب کی بھی کورے رہے۔ نگوڑا دو ہی ایک روپیہ بڑھا دیتے۔ کچھ تو تسلی ہو جاتی نہ ملتے دو چار سو نہ سہی، دس بیس پچاس تو ملتے۔ کام تو نکل جاتا۔

آخر ان سے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کہ گرانی کا زمانہ ہے۔ کہ خدا کی پناہ اور اتنی قلیل تنخواہ میں بھلا کوئی شریف آدمی کیسے بسر کرے دیکھتے ہی دیکھتے غلّہ کا نرخ بڑھ گیا۔ اے ابھی پچھلے ہی اتوار کو تو آٹھ سیر کا گیہوں خریدا تھا۔ اب جو منگایا۔ تو پورے ڈیڑھ سیر کم ہو گیا۔ یا اللہ تو ہی غریبوں کی عزت بچانے والا ہے۔ گھر میں جو غلّہ پہلے دس روپیہ میں آتا تھا۔ اب اُتنا ہی غلّہ پندرہ روپیہ میں آنے لگا۔ بھلا بتاؤ کہ اندھیر نہیں تو کیا ہے۔ گرانی کا یہ عالم کہ اُنکے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اور پھر اُن کے ٹھینگے کو کیا غرض پڑی ہے۔ کہ وہ کسی کے لئے کچھ کریں۔ اُن کو تو قورمہ پلاؤ۔ کیک۔ بسکٹ مرغی انڈہ کھانے کو ملا ہی جاتا ہے۔ اگر کہیں ان کے اُوپر اثر ہوتا۔ تو مَیں دیکھتی۔ کہ کیسے ترقی نہیں ہوتی۔ اور جب تک آدمی پر پڑتی نہیں ہے۔ اس کی عقل ٹھکانے نہیں ہوتی۔ مَیں تو کہتی ہوں۔ ایسے لوگوں کا کام تو بس واجبی ہی کرے۔ یہ نہیں۔ کہ اپنا بھی کام کرو۔ اور صاحب کا بھی نقشہ بناؤ۔ دورہ کا بھی انتظام کرو۔ رسد وغیرہ بھی پہنچاؤ۔ گھی اچھا ہو۔ گوشت بڑھیا ہو۔ بٹیریں ہوں۔ مچھلی ہو۔ مرغیوں کے چھابے بھرے ہوتے ہوں۔ شکار کے لئے الگ انتظام کرو۔ کہ صاحب جائیں۔ تو جنگلوں میں ان کا جی نہ گھبرائے۔ اے جھاڑو پھرے ایسی نوکری پہ

رات دن خدمتگار بنے رہے ہو۔ اور پھر بھی ترقی نہ ہو۔

لو سنو، شبراتن نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ جب دیکھو وہ بندی اپنا ہی دُکھڑا رویا کرتی ہے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ بابا تیرا اس تنخواہ میں گذر نہیں ہوتا۔ تو پھر میں کیا کروں۔ نوکری چھوڑ دو۔ اور اپنا راستہ لو۔ اپنے گھر سدھارو۔ کتنی مرتبہ جھڑکیاں دیں۔ کتنی مرتبہ ڈانٹ بتائی۔ کہ شبراتن روز روز میرا کلیجہ نہ کھاؤ۔ میں نے سن لیا ہے مجھے معلوم ہے۔ بابو صاحب کی ترقی ہونے دو۔ تو میں تمہاری تنخواہ بڑھا دوں گی۔ کئی مہینہ سے ٹالتے ٹالتے آج کا دن آگیا۔ اب بولو اس کو کیا جواب دوں۔ اب تو مجھ سے نہیں سنا جاتا۔ اب تم خود اپنے منہ سے کہہ دو۔ جو چاہے کہہ دو۔ رکھو تو واہ واہ نہ کرو۔ تو واہ واہ میں کہاں سے اس کی تنخواہ میں اضافہ کر سکتی ہوں۔ میرا تو اتنے ہی میں پورا نہیں پڑتا۔ میں تو کہتی ہوں۔ کہ اب میں ملازم نہیں رکھ سکتی ہوں اگر مجھے دست غیب حاصل ہوتا۔ تو یہ بھی کہتی۔ کہ بھائی اس کی تنخواہ میں اضافہ کر دو۔ خود میرے اوپر ہی اتنا بار ہو گیا ہے۔ کہ کہ اب کچھ کہا نہیں جاتا۔ ادھر تمہاری ترقی غائب غلہ ہو گئی۔ اب کس اُمید پر اس سے بہانا کروں۔ اور بھئی ایمان کی بات تو یہ ہے۔ کہ وہ بھی ٹھیک کہتی ہے۔ رات دن گھر میں چکر گنی بنی رہتی ہے۔ اپنی

ساری عمر اس گھر میں بسر کر دی۔ رتی رتی سودے کے لئے بازار کے ہزاروں پھیرے کرتی ہے۔ اور پھر لون دھوپ میں چولھے میں جلتی ہے اگر وہ بھی دو چار آنہ اپنی تنخواہ میں اضافہ چاہتی ہے۔ تو کیا برا کرتی ہے۔ میرا تو اب ہیاؤ نہیں پڑتا۔ کہ اس سے کوئی حیلہ بہانہ کروں اس غریب کو کیا خبر۔ کہ میاں کی تنخواہ میں ترقی نہیں ہوئی۔ وہ تو یہی جانتی ہے۔ کہ کچہری دربار کا واسطہ ہے۔ وہاں تو جو کچھ ایک مرتبہ طے ہو گیا۔ بس طے ہو گیا۔ بھلا وہ کاہے کو اس بات کا یقین کرنے لگی۔ کہ میاں کی ترقی نہیں ہوئی۔ آخر وہ تو بیچاری اس امید پر بیٹھی ہوئی تھی۔

کمبخت مہتروں بھنگیوں تک نے اپنی ترقی کے لئے زمین و آسمان ایک کر دیا۔ جلسہ کئے ہڑتال کی ایک ہفتہ تک صاحب لوگوں کے بنگلوں میں پاخانہ پڑا سڑتا رہا۔ آخر کار اپنی تنخواہیں بڑھا لیں۔ کہ نہیں۔ اور انہیں سے یہ لوگ ٹھیک بھی رہتے ہیں۔ اب تم اپنا حال دیکھو اور ان مہتروں بھنگیوں سے مقابلہ کرو۔ وہ اچھے کہ تم اچھے۔ تم نے صاحب کے بنگلہ کے دس دس چکر روزانہ کئے۔ تو پھر کیا نتیجہ نکلا سینکڑوں روپیہ کی ڈالی لے گئے۔ پھر کیا پایا۔ آندھی آئے پانی برسے۔ مگر تم کو بنگلہ پر جانا ضروری، ہزار دکھ بیماری گھر میں ہو۔ مگر بنگلہ کی غیر حاضری

نہ ہوئی۔ دروازہ پر میت پڑی رہے۔ اور ان کے کتوں کے ماتب کا انتظام کرنا فرض تھا۔ مگر آج وہ ایک بھی کام نہ آیا۔ کہ سب کے ساتھ تمہاری تنخواہ میں بھی اضافہ ہو جاتا۔ بلا سے چھ مہینے پہلے کی ترقی نہ ہوتی۔ اس ماہ سے ہو جاتی۔ کچھ تو سہارا ہو جاتا۔

اور ہاں وہ جو آپ نے میموریل روانہ کیا تھا۔ اس کا کیا حشر ہوا کوئی نتیجہ نکلا یا نہیں۔ تم تو کہتے تھے۔ کہ بڑے صاحب مجھ سے بہت خوش ہیں۔ معائنہ میں تمہاری بڑی تعریف لکھی ہے معلوم ہوتا ہے کہ تعریف کے معاوضہ میں ترقی روک لی۔ اب تمہیں بتاؤ۔ اس تعریف کو اوڑھو گے یا بچھاؤ گے۔ زبان سے کہتے کیا لگتی ہے۔ جب میں جانتی۔ کہ تمہاری ترقی کے لئے کچھ کرتے۔ تو خیر ایک بات تھی۔ زبانی تعریف سے کہیں پیٹ بھرتا ہے کیا ان کی تعریف اس گرانی کو روک دے گی یا تمہارے اخراجات کو پورا کر دے گی یا آج مجھ کو منے میاں کے عقیقہ میں جو ضرورت ہے۔ اس کو رفع کر دے گی۔ ویسے تو ہاں کہ دینا میں بھی جانتی ہوں۔ کچھ نہیں تم کو باتوں باتوں میں بہلا دیا اور دوسروں کو ترقی دے دی۔

اور نہ کبھی کا کہا مانو۔ جب میں نے کہا تھا۔ کہ وکالت شروع کر دو۔ تو کیسا کیسا بگڑے تھے۔ جیسے میں نے زہر ملا دیا تھا۔

اس وقت تو تم بہت اُچھلے کودے تھے۔ کہتے تھے۔ کہ اب وکالت میں کیا رکھا ہے۔ اب بتاؤ۔ اس ملازمت میں کیا رکھا ہے۔ کون ڈپٹی کلکٹر ہو گئے۔ کونسی تنخواہ بڑھ گئی۔ کیا آمدنی میں اضافہ ہو گیا۔ اپنی جان کھپائی۔ اپنی تندرستی برباد کی۔ ڈاکٹروں کی خوشامد کی۔ سینکڑوں روپیہ فیس میں برباد کیا۔ تب کہیں جاکر ڈاکٹری میں فِٹ ہوئے۔ اور اس وقت ملازمت مستقل ہوئی۔ پھر اس کے بعد امتحان دیا۔ اس میں بھی دن رات محنت کی۔ اور اس کے بعد بھی کوئی نتیجہ نہ برآمد ہوا۔ سنا تھا۔ کہ امتحان پاس کرنے کے بعد درجہ بڑھ جائیگا۔ ترقی ہوگی۔ ترقی ہونا تو درکنار کسی نے بات بھی نہ پوچھی۔ میں کہتی ہوں۔ کہ اندھیر نہیں تو کیا ہے۔ ایک مرتبہ تعلیم حاصل کی سینکڑوں روپیہ اس تعلیم پہ خرچ کیا ہوگا۔ اس کے بعد پھر امتحان، یہ اللہ انس میں نے آج ہی سنی ہے۔ کہ عمر بھر انسان پڑھتا ہی رہے۔ اور اس کے بعد بھی حاصل نہ حصول۔ اب کونسے چار چاند لگ گئے۔

کہتے تھے۔ کہ ہر سال بیس روپیہ کی ترقی ہوتی رہے گی ہر سال کو کون کہے۔ چار پانچ سال کے بعد بھی ترقی نہ ہوئی۔ بیس پیسہ بھی نہ بڑھے بیس روپیہ کی کون کہے۔ افوہ تمہاری تو مت ماری گئی ہے بھائی جان پچھلے سال آئے تھے۔ انہوں نے کتنا کہا۔ کہ چلوان کے

ساتھ کسی ریاست میں - وہ اس سے اچھی جگہ ولا دیں گے - مگر تم نے ایک نہ مانی - ایک نہیں میں ساری بات ٹال دی - آج اگر کسی ریاست میں ملازم ہو گئے ہوتے - تو ہزاروں روپیہ تمہارے پاس بھی ہوتے - یہ جو تنگی ترشی میں بسر کرتے ہو - یہ نہ ہوتا - دو چار کو دے کر کھاتے - اور دس بیس آدمی تمہارے ساتھ ہر وقت رہتے - مگر وہ تو تمہاری سمجھ میں جو آگیا - وہی ٹھیک ہے - بس وہ پتھر کی لکیر ہو گئی -

مجھ سے کیا کہتے ہو - یہ تو ہونا ہی تھا - مجھ کو پہلے ہی سے علم تھا - کہ ترقی نہ ہوگی - اس لئے کہ کچھ گھوڑا شکستہ اور کچھ سوار سست نہیں تو اب تک ترقی نہ ہو جاتی - میں کہتی ہوں - کہ ہر چھٹے مہینہ ترقی ہوتی - اور اب بھی تم کو اس کا کوئی رنج نہیں ہے - جیسے نوکر تم نہیں ہو - بلکہ میں نوکر ہوں - مجھ کو کیا غرض پڑی ہے - کہ اپنی جان کڑھاؤں - تم جانو تمہارے حاکم لوگ جانیں - اب آئندہ سے میں کچھ نہ کہوں گی - چاہے ترقی چاہے نکلے ہو - اگر ترقی ہوتی - تو کچھ مجھی کو بھر نہ دیتے - اور پا ترقی ہوتی - تو اکیلے میں ہی اس سے فائدہ نہ اٹھاتی - تم اور تمہارے بہت سے وہ عزیز جو مہینہ میں دس پانچ مرتبہ آکر چکمہ لگا جاتے ہیں - وہ سب فائدہ اٹھاتے - مگر آج کوئی

سامنے نہیں نظر آتا۔ کہ دلجوئی کرے۔ سب اپنے اپنے مطلب کے ہوتے ہیں۔ دُنیا اس کا نام ہے۔

مَیں تو اس لئے پیٹ رہی تھی۔ کہ گھر کے بیسوں کام رُک گئے جو ترقی ہونے پر منحصر تھے۔ اور جن کا ہونا ضروری تھا۔ مگر اب کیا ہوتا ہے۔ نہ معلوم کتنے آدمیوں سے ترقی کی اُمید پر وعدہ کر رکھے تھے۔ کسی کو دس روپیہ دینا ہے۔ کسی کو پانچ دینا ہے۔ عقیقہ ہو گا تو عزیز و اقارب پاس پڑوس کے لوگ ٹولہ محلہ کے لوگ سبھی کو بلانا پڑے گا۔ جس کے گھر کھایا ہے۔ اس کو کھلانا ضروری ہے۔ یہ تو قرض حسنہ ہے۔ اور اگر بغیر کچھ کئے عقیقہ کر لیا جائے۔ تو بھی نہیں بنتا ہے۔ سب یہی کہیں گے۔ کہ پہلا پہلا کام اور اتنی کنجوسی۔ محلہ میں کسی کے یہاں کچھ ہوتا ہے۔ تو ایک ریوڑی تک گھر میں حصّہ میں آتی ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ کہ لڑکے کا عقیقہ کر لیا اور پوچھا تک نہیں۔ نہ دو وقت کسی کو کھلایا جائے۔ ایک ہی وقت کی دعوت دی جائے۔ مگر اب یہ سب اگر ہو تو کیسے ہو۔ اِدھر ترقی رُک گئی۔ اُدھر پچھلی بیماریوں نے سر پر قرض کر دیا۔ اس کی ادائی بھی ضروری ہے۔ اور یہی دنیا کا دستور ہے۔ ایک لیا اور ایک دیا۔ اب یہ نہیں۔ کہ لیتے تو چلے جا رہے ہیں۔ دینے

کا نام نہیں لیتے۔ اگر آج جس جس کا باقی ہے۔ دے دیا جائے۔ تو
کل اُس سے یہ اُمید ہو سکتی ہے۔ کہ پھر ضرورت پر وہ دوسرے
روز کام آ سکتا ہے۔ لیکن اب کیا کسی کو جواب دیا جا سکتا ہے
قسمت کی بات ہے۔ اور اب آگے کی اُمید پر کون زندہ رہ
سکتا ہے۔

دعوت کرنے پر

میں تو جانتی تھی۔ کہ آج اتوار کا دن ہے۔ تم بھلا چین سے کیوں بیٹھنے دینے لگے۔ اور پھر تم ہی کیا کرو۔ میرے لئے تو آسمان سے بیگار اُترتی ہے۔ آج دفتر کی عذاب سے فرصت تھی۔ تو تم کو دوستوں کی دعوت کی سوجھی۔ گھر پھونک تماشہ دیکھنا تمہارا ہی کام ہے۔ چلو اور کچھ نہ سہی۔ اسی میں دس روپیہ صرف ہوں گے۔ روز دعوت ـــــ دعوت نہ ہوئی عذاب جاں ہو گئی۔ ناک میں دم آگیا۔ کلیجہ پکا پھوڑا ہو گیا۔ کمبخت کوئی اتوار تو ناغہ جاتا، آخر میں پوچھتی ہوں۔ کہ کیا تمہارے ہی سب دوست ہیں۔ تم بھی تو کسی کے دوست ہو گے۔ تمہاری بھی کوئی دعوت کرتا ہے۔ تم کو بھی کوئی جھوٹوں پوچھتا ہے۔ یا یہ بیگار تمہارے ہی ذمہ رہتی ہے۔ مگر بات یہ ہے۔ کہ تم کو سب نے بیوقوف بنایا ہے۔ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ جب ہم کو مفت کھانے کو ملتا ہے۔ تو کاہے کو اپنی گرہ سے کچھ خرچ کرنے لگے۔ جب دیکھو دعوت۔ اور ان کمبختوں

کو بھی حیا نہیں آتی روز روز کھانا ہی جانتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ کبھی تم کو بھی کھلائیں اور اتوار ہی پر کیا منحصر ہے۔ یہ مُوئے تو جب دیکھو دروازے پر کھڑے گلا پھاڑا کرتے ہیں۔ اور کچھ نہیں تو ایک ڈھولی پان ہی چبا گئے۔ سیروں ڈلی کتھا ہی کھا گئے۔ مَیں کہتی ہوں۔ کہ انسان کیا ایسا بے غیرت ہو جاتا ہے۔ جیسے تمہارے دوست، لچے، لفنگے ہیں۔ پھر آخر ان کی دعوت سے کیا فائدہ۔ اتنا روپیہ ان پر ضائع کرنا کہاں کی عقلمندی ہے۔ ایسا ہی بڑا شوق ہے۔ تو کسی یتیم خانہ میں بھجدیا کرو۔ نام بھی ہو۔ عاقبت بھی بنے، میں کھڑاگ کرو۔ اچھے سے اچھا کمبختوں کو کھانا کھلاؤ۔ اور اس پر بھی مُوئے مضحکہ کرتے ہیں۔ مذاق اُڑاتے ہیں۔ ہزاروں طرح سے منہ بناتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے دال میں نمک زیادہ ہے۔ کوئی کہتا ہے گوشت نہیں گلا۔ کوئی کہتا ہے۔ پلاؤ کے چاول بیٹھ گئے کوئی کہتا ہے۔ پھٹے ہُوئے دودھ کی کھیر پکی ہے۔ یہ تو وہی ہوا۔ کہ "نیکی برباد گناہ لازم"۔ مگر تم ہو۔ کہ لٹے جاتے ہو۔ جو چیز ہے دوستوں کی اور جب دیکھو مکان میں شہدوں کا ایک گروہ اکٹھا ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ یہ ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ ہے۔ اللہ توبہ۔ مَیں کس عذاب میں پڑ گئی۔ سنتے ہو۔ مجھ سے اب دعوت کا انتظام نہ ہوگا۔ اچھا جہاں چاہے انتظام کرو۔ مجھ سے یہ روپیہ پیسہ کی بربادی نہیں دیکھی جاتی۔ نہ حاصل نہ حصول۔ ان مردوں

کو کھلانے سے کیا نتیجہ۔ اگر کچھ فائدہ ہوتا۔ تو خیر یہ بھی برداشت کرتی۔ اور پھر یہ دیکھو۔ کہ تمہاری تنخواہ اتنی کون بڑی ہے۔ کہ ہر ہفتہ دس روپیہ دعوت میں صرف کیا جائے۔ بیسوں جھگڑے تو روز لگے رہتے ہیں، ان کے لئے پورا نہیں پڑتا۔ مفت میں یہ چپت اور لگ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ قرض اُدھار کرنا پڑتا ہے۔ تمہیں خود معلوم ہے۔ کہ پچھلے ہفتہ گوشت والے کو صرف پانچ روپے دئے جا سکے ہیں۔ نگوڑے کریم کو دو ہفتہ سے تنخواہ نہیں دی گئی۔ آخر ان کو دینا پڑے گا یا نہیں اور دینا ہی پڑیں گے۔ آج نہیں کل۔ کل نہیں پرسوں۔ مگر دیا کہاں سے جائے گا جب تم روز دوستوں کی دعوت کرتے رہو گے۔ تو کیا تنخواہ بڑھتی جائے گی کنوئیں کا پانی تک سوکھ جاتا ہے۔ ایک سو پچاس روپیہ کی بساط ہی کیا۔ خدا کی پناہ۔ میں اپنی جان کو کہاں تک کھپاؤں۔ میں تو مارے شرم و غیرت کے مری جاتی ہوں۔ جب میرے دروازے پہ کوئی تقاضا کرنے آتا ہے تم کو کیا تم تو دفتر میں ہوتے ہو۔ میرے ہی سر پہ ساری چیخ پکار ہوتی ہے۔ میں کہاں سے دوں۔ اور کب تک ٹالتی رہوں۔ اب میں بھی یہ کروں گی۔ کہ جب کوئی تقاضا کرنے آئے گا۔ دفتر میں بھیجدیا کروں گی آپ ہی دو گے۔ جب دوستوں کی دعوتا ہی روز کی جائے گی۔ تو ظاہر ہے۔ کہ اور خرچ کیسے چلے گا۔ اور قرضداروں کو کیسے بھگتایا جائیگا۔

ابھی پچھلی فصل پر تمہیں نے انہیں دوستوں کو خربوزے اُدھار لے کر کھلائے تھے۔ اس کے چار روپے اب تک نہیں دیئے گئے۔ اب بتائیے۔ کہ وہ روز تقاضا کرے گا۔ تو میری ہی عزت تو ایسی ٹھہری۔ کہ میں چار روپیہ کا تقاضا سنوں۔ سوا اس کے کہ اپنی جان پر یہ کوفت بھی برداشت کروں۔ اور کیا ہو سکتا ہے۔ تم کو کیسے ہوش آئے گا ـــــ غضب خدا کا دو آنہ سینکڑہ آم بکے اور گھر میں ایک چھلکا بھی آم کا نہ لیا جا سکے اور کیسے لیا جائے جب تمہارے دوستوں کی دعوت سے روپیہ بچے۔ تو گھر والوں کو بھی فصل کی چیز نصیب ہو۔ یا جو ہے۔ وہ دوستوں کو کھلا دو۔ اپنی زبان پر بھولے سے نمک چکھنے کے طور پر بھی نہیں رکھنے کو ملتا پھر تمہیں بتاؤ۔ کہ آخر گھر تباہ ہوگا کہ نہیں۔ بچوں والا گھر دو چار پیسا اگر وقت بے وقت کے لئے چاہوں کہ ڈال رکھوں۔ تو وہ بھی ناممکن ہے خرچ کا تو یہ حال ہے۔ کہ اور قرض لینا پڑتا ہے۔ بھلا بچایا کیسے جا سکتا ہے۔ تمہاری فضول خرچیوں کا تو یہ عالم ہے۔ کہ ہر دعوت میں عمدہ سے عمدہ چیز تیار ہو۔ چاہے گھر میں مہینہ بھر تک فاقہ ہی ہو۔ اس سے بحث نہیں۔ کہ کل کیا ہوگا۔ آدمی کی عقل ایسی بھی نہ ماری جائے۔ کہ جو اپنی اچھی بری باتوں کو نہ سمجھے۔

آج دودھ والے کا ایک مہینہ پندرہ دن ہو گیا۔ آخر وہ بیچارہ کب تک

چپ رہے گا۔ اسے بھی تو ضرورت ہوگی۔ اور وہ یہ کہتا ہے۔ کہ بھیّا ہماری زندگی کا تو یہ ہی سہارا ہے۔ روز کنواں کھودنا ہے۔ اور روز پانی پینا تو اس میں کچھ جھوٹ نہیں ہے۔ اس کو بھی اپنے کاروبار کو جاری رکھنا ہے۔ کیا وہ تمہاری طرح روز دوستوں کی دعوت کرتا ہے۔ پچھلے ہفتہ میں سولہ سیر دودھ ہوا تھا۔ اس پندرہ روز میں دس سیر ہو چکا ہے اب پوچھو۔ کہ مہینہ میں دس دس روپیہ کا دودھ، چاء میں خرچ ہوگا۔ تو بھلا کاہے کو گھر رہے گا۔ دن میں پاؤ بھر دودھ گھر بھر کی چاء کے لئے کافی ہے۔ مگر وہ جو تمہارے دوستوں کی لین ڈوری بندھی رہتی ہے ایک آیا۔ ہوا دوسرا آیا۔ تیسرا آیا۔ سیروں لکڑی تو دن بھر میں چاء کے لئے پھونک دی جاتی ہے۔ اور جو ہے۔ وہ بغیر چاء پیئے ٹلتا ہی نہیں۔ تو پھر اتنا دودھ ضرور صرف ہوگا۔ اب بتاؤ۔ کہ دودھ والا جب دروازے پر تمہارے دوستوں کی موجودگی میں آئے گا۔ اور اپنے دام کا تقاضا کرے گا۔ تو کیسی کرکری ہوگی۔ کیا یہ مُفتے جو تمہارے دوست ہیں۔ جن کو روز چاء پلاتے ہو۔ مرغ کھلاتے ہو۔ کوئی ان میں سے اپنی جیب سے نکال کر دے دے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ سب ہی کے سامنے تمہیں کو ندامت اٹھانا ہوگی۔ اور سب لوگ تمہیں کو بتائیں گے سمجھائیں گے۔ کہ میاں اس غریب کا اتنی رقم سے بڑا کام نکل سکتا ہے۔

یہ بہت بڑی بات ہے۔ آج پھر انہیں کی دعوت پر دس روپیہ صرف کروگے۔ یہی آج بچتے۔ تو اسی کو دے دئے جاتے۔ مگر نہیں تم کو اسی میں مزا آتا ہے۔ کہ باہر تو۔ اتنے تنے گھر میں چوہے پکتے۔ گھر میں آتے ہو۔ تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے ہو۔ اب باہر جب قدم قدم پر تقاضے ہوں گے۔ تو کیا حال ہوگا۔ ان میں سے کون کام آئے گا؟۔ ہمارا کیا ایک آدمی کی نہیں، سو آدمی کی دعوت کرو۔ ایک دن نہیں روز دعوت کرو۔ کچھ ہم کو اپنی گرہ سے تو خرچ کرنا نہیں ہیں تم جانو تمہارا کام جانے۔ جب تمہارے گلے سے کوئی بات ہی نہیں اترتی۔ تو تم کو سمجھانا بے کار ہے۔ میں کہتی ہوں کہ سب آدمی اپنا آگا پیچھا سوچ لیتے ہیں۔ تمہاری ہی طرح جو سب ہو جائیں۔ تو بھلا دنیا کا کام ہی کیسے چلے۔

ہاں۔ وہی ہوا وہی۔ جو میں کہہ رہی تھی۔ آخر وہی ہوا۔ کمبخت تواٗ کا دن تو اور میری مصیبت کا دن ہو جاتا ہے۔ جانتے ہو کچھ یہ بھی۔ بزاز کا آدمی ہے۔ ابھی گئے مہینہ تم نے اپنے دو سوٹوں کا کپڑا خریدا تھا۔ پچیس روپیہ کا بل اُس کا آیا تھا۔ اب وہ کئی روز سے تقاضے کو آرہا ہے۔ اب بتاؤ۔ اگر آج وہی دعوت کے دس روپیہ بچتے۔ تو اسی کو دے کر نجات حاصل کر لی جاتی۔ پچیس میں دس ہی اُس کو

پہنچ جاتے۔ تو اس کو تسکین کچھ نہ کچھ ہو جاتی۔ اور پھر کچھ کپڑا اور بھی خرید سکتے تھے۔ اب یہی دیکھو کہ پورے آج چھ مہینے ہوئے۔ جب چار دوپٹوں کا کپڑا خرید کیا تھا۔ رفتہ رفتہ استعمال سے خراب ہوتے گئے۔ چلئے دروازہ بند اگر آج تم حساب لگاؤ۔ تو ہر ہفتہ دعوت میں کچھ نہ سہی۔ تو پانچ روپیہ ضرور ہی صرف ہوتے ہیں۔ مہینے کے بیس ہوئے۔ کتنے کام نکل سکتے تھے۔ اور کتنے آدمیوں کو اس بیس روپیہ میں سمجھایا جا سکتا تھا۔ اور پھر دعوت کبھی ہو گئی۔ مہینہ دو مہینہ یہ نہیں۔ کہ اب روز وہی سلسلہ قائم ہے۔ کہاں کے ایسے بڑے رئیس ہو۔ اسمیں تو فقیر ہو جاؤ گے۔ اپنے تن پیٹ کے لئے کچھ نہیں کر سکتے جو ہے وہ تمہارے دوستوں کی دوزخ میں سماتا جاتا ہے۔ آخر یہ بھی کوئی قرینہ ہے۔ یہ تو بالکل پھوہڑ پنے کی باتیں ہیں۔ غور تو کرو۔ اتنی دور پر خالہ جان موجود ہیں۔ اور یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ کسی دن اُن کے یہاں جا کر ہو آئیں۔ محض اس لئے کہ چار چھ آنے کرایہ کے صرف ہونگے۔ تم اپنا دوستوں کی دعوت میں اڑاتے رہتے ہو۔ خرچ کرتے رہتے ہو۔ کہاں سے اتنا بچے۔ کہ میں اپنے کرایہ میں چار چھ آنہ صرف کروں۔ نہ معلوم کتنی مرتبہ انہوں نے بلا بھیجا۔ مگر میں بندی محض اس لئے نہ جا سکی۔ وہ بھلا کیا کہتی ہونگی۔ اب یہ نوبت پہنچ گئی ہے۔ کہ اپنے عزیز بھی چھوٹتے

جاتے ہیں۔ تو مَیں تو اس طرح دانتوں سے پیسہ پکڑتی ہوں ۔ اور تم ہو۔ کہ ایک جمِ غفیر کی روزانہ دعوت میں دس پانچ روپیہ خرچ کر دیتے ہو۔ جو مَیں بھی اسی طرح کرنے لگوں۔ تو کیا ہو۔ آخر میری بھی دو چار جاننے والی سہیلیاں اسی شہر میں موجود ہیں۔ مَیں کبھی ان کو نہیں پوچھ سکتی۔ محض اس لئے کہ دو چار روپیہ خرچ ہوں گے۔ آخر میرے بھی تو جی ہے۔ نجمہ میری کتنی گہری سہیلی ہے۔ اس کے بچہ کی گھوڑے چڑھائی تھی۔ اور مَیں دو روپیہ کی مٹھائی اس کو نہ بھیج سکی۔ آسیہ کی بھی شادی اسی محلہ میں ہوئی ہے پہلے پہل وہ سسرال آئی تھی۔ مَیں ایک روز کے لئے بھی اس کو اپنے گھر نہ بلا سکی۔ اور تو اور خالہ جان کی چھوٹی لڑکی سلطانہ کو پوری برسات گزر گئی۔ اور ایک روز بھی جھولنا جھولنے کے لئے مدعو نہ کر سکی۔ مَیں تو اس طرح بچاتی ہوں ۔ اور تم ہو۔ کہ بلا سمجھے بوجھے بغیر گھر کا حال جانے ہوئے جب چاہا۔ اپنے نکمے دوستوں کی دعوت کر بیٹھے

ہا۔ ہا۔ مَیں کیسا اپنا جی مارتی ہوں۔ دنیا کی چیزیں دروازے پر بکنے آتی ہیں۔ لیکن مَیں بھول کر بھی کبھی ایک پیسہ کی چیز نہیں خریدتی۔ تو کیا میرے دل نہیں ہے۔ مَیں آدمی نہیں ہوں۔ میرے ہاتھ میں تو سب رہتا ہے۔ اگر چاہوں تو سب کا سب خرچ کر دوں۔ مگر مَیں دیکھتی ہوں۔ کہ یہ گھر بگاڑنے والی باتیں ہیں۔ چپ ہو جاتی ہوں۔ اگر مَیں بھی تمہاری ہی

طرح سے ہو جاؤں۔ تو بس چلئے فرصت ہو جائے۔ ابھی پرسوں ہی کا ذکر ہے۔ کہ دروازے پر لیس بیل فیتہ کیسے اچھے بکنے آئے دیکھ کر جی ملچا گیا۔ ہزار ضرورت تھی۔ ہزار طبیعت چاہی۔ مگر نہ لیا۔ محض اس لئے۔ کہ آج اگر میں دو تین روپیہ کا خرید لیتی۔ تو مانا کہ کوئی کہنے والا نہ تھا۔ میرے پاس روپے بھی تھے۔ مگر پھر یہ سوچی۔ کہ اگر میں یہ چیزیں نہ لوں۔ تو کیا ہرج ہے۔ یہی بچ رہے گا۔ تو پھر کام آئے گا تمہارا یہ حال ہے۔ کہ تم ایک گھنٹہ میں دس روپیہ دوستوں کی دعوت میں صرف کر دیتے ہو۔ اور کوئی پروا نہیں کرتے۔ کہ اس کے بعد کیا ہوگا اگر اسی طرح تم دعوت کرتے رہے۔ تو مہینہ بھر فاقہ ہوگا۔ اور قرضخواہوں سے جان چھڑانا مشکل ہو جائے گی۔

آئی ۔ سی ۔ ایس ہونے پر

اے میں کہتی ہوں ۔ کہ تم آئی ۔ سی ۔ ایس کیا ہو گئے ۔ جیسے خدا ہو گئے ہو ۔ توبہ توبہ نعوذ باللہ ۔ خدا تو پھر بھی اپنے بندوں کی سُن لیتا ہے ۔ مگر تم تو منہ سے بولنا بھی اپنی کسر شان سمجھتے ہو ۔ بات بات میں تیوریاں چڑھی ہوئی ہیں ۔ قدم قدم پر ناک بھوں سکوڑتے ہو ۔ ذرا سی منہ سے کوئی بات کہنے چلی ۔ آپ ہش ہش کرنے لگے ۔ میں تو جانتی تھی ۔ کہ آئی ۔ سی ۔ ایس ہونے کے بعد آدمی اور زیادہ سنجیدہ ہو جاتا ہے ۔ مگر آپ تو اور زیادہ سنور گئے ہیں ۔ اوئی میں کیا جانتی تھی ۔ کہ آپ آئی ۔ سی ۔ ایس ہو جانے کے بعد زمین پر پاؤں بھی نہ رکھیں گے ۔ کیا ایسے ہی سب آئی ۔ سی ۔ ایس ہوتے ہیں ۔ اور پھر جو کچھ کہو تو آگ بگولہ ہائے اللہ ۔ میں کہتی ہوں ۔ کہ آخر پھر کس سے کہنے جاؤں ۔ کس سے پوچھنے جاؤں ۔ گھر کے متعلق ایک دو باتیں ہیں ۔ ارے ایک طرف گھر کے خرچ و اخراجات کے متعلق

دوسری طرف بچوں کی تعلیم وتربیت کے متعلق عزیز واقارب میں شادی بیاہ کے مسئلہ کے متعلق ہزاروں باتیں تو ہیں۔ مگر آپ کہاں سنتے ہیں۔ آپ تو ٹھہرے آئی۔سی ایس۔لیکن کیا آئی۔سی۔ایس ہونے کے بعد آدمی میں آدمیت بھی باقی نہیں رہتی۔کم از کم مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔گھر میں داخل ہوتے ہو۔ تو مبھو بن جاتے ہو۔یہی چاہتے ہو۔کہ کوئی شخص زبان نہ کھولے۔کوئی تمہارے سامنے منہ سے نہ بولے۔بس تم سب کو حکم دیتے رہو۔سنتے ہو اس طرح کام نہیں چلے گا۔اگر تم آئی۔سی۔ایس ہو۔تو میں بھی کچھ ہوں۔ تمہاری طرح آئی۔سی۔ایس نہیں۔مگر انسان ہوں۔ بھلا اپنے گھر کے معاملات میں کچھ کہنا سننا کوئی بری بات ہے۔یا آئی۔سی ایس کا یہ کوئی اصول ہے آپ کی نگاہ میں اگرچہ کوئی وقعت نہیں۔لیکن ایک آدمی ہوں اتنا تو سمجھو۔اور نہیں تو اپنی رعیت ہی سمجھ کر سہی۔ جاہ کا کانٹا ہی سمجھ کر سہی۔کچھ بولا تو کرو۔کچھ پوچھتی ہوں۔تو مشورہ تو دیا کرو۔میں تو اسی فکر میں گھلی جاتی ہوں۔کہ آج گھر کے متعلق یہ کام ہے۔کل وہ کام ہے۔اور آپ ہیں۔کہ بالکل آئی سی۔ایس۔آپ کے نوکر چاکر ہیں۔کہ وہ بھی لاٹ صاحب بنے ہوئے ہیں کیونکہ آئی سی۔ایس کے ملازم ہیں۔کسی دھنیئے جلاہے کے ملازم نہیں ہیں

پھر مجھ سے دریافت کرتے ہو۔ کہ کیا معاملہ ہے۔ ہاں اور آپ کو کیوں معلوم ہوتا۔ کہ کیا معاملہ ہے۔ کیونکہ آپ تو آئی سی ایس ہیں۔ ہر بات کا بھولنا تو آپ کے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ کیونکہ آپ آئی۔سی۔ایس ہیں۔ اگر آپ کو کوئی بات یاد رہ جائے۔ تو پھر آپ آئی۔سی۔ایس کاہے کے۔ گویا آئی۔سی۔ایس ہونے کی ایک پہچان یہ بھی ہے۔ کہ اپنے پرائے کو ایک ہی نظر میں بھول جائے۔ میں یاد کیا دلاؤں۔ کوئی ایک بات ہو۔ تو آپ کو یاد بھی دلاؤں۔ آپ کی تو یہ عادت ہو گئی ہے کہ جو بات کہی جائے۔ آپ کہہ دیتے ہیں۔ کہ ساری فارویٹ اور مجھے ان باتوں سے ہوتی ہے الجھن ساری فارویٹ سنتے سنتے ناک میں دم آ گیا۔ مگر اب کیا کریں۔ آپ کے آئی۔سی۔ایس کی یہ عادتیں ہیں۔ ابھی پرسوں ہی میں نے کہا تھا۔ کہ کل پھوپھی جان کے چھوٹے صاحبزادہ کی روزہ کشائی ہے۔ وہاں آپ کو جانا چاہئے تھا۔ لیکن آپ کو کلب اور کلب کے احباب سے فرصت کہاں تھی۔ نہ جانا تھا۔ نہ گئے اور گھر آئے تو کہہ دیا۔ کہ میں بھول گیا۔ ساری فارویٹ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ ان کو یہ تو معلوم ہے۔ کہ آپ آئی۔سی۔ایس ہیں۔ لیکن انہیں یہ کیا معلوم۔ کہ ایک آئی۔سی۔ایس ہر ایک بات بھول جاتا ہے۔ اور صرف اپنی ہی بات یاد رکھتا ہے۔ اس میں ہنسنے کی کوئی بات نہیں

ہے۔ میں تو ان باتوں پر رویا کرتی ہوں۔ اور سوچتی ہوں۔ کہ میں کس مصیبت میں مبتلا ہوں۔ مگر آپ ہش کہہ کر چپ ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ آئی۔سی۔ ایس ہیں۔ آپ کے کہنے کے مطابق ہر ایک بات کے لئے دو چار روز پہلے کہتی ہوں۔ کہ معلوم نہیں۔ آپ کا کیا پروگرام ہو۔ اس پر بھی تو آپ کا یہ عالم ہے۔ کہ بس ساری فارویٹ ساری فارویٹ کہہ کر سارے گناہوں سے نجات مل گئی۔ اسی منہ سے کبھی لاحول ولاقوۃ پڑھ لیا کرو۔ مگر آئی سی۔ ایس جو ہو۔ تمہیں لاحول ولاقوۃ سے کیا مطلب۔ صبح ہوئی تو شام ہوئی۔ تو ایک ایک بات کے لئے منہ کھول کر رہ جاتی ہوں۔ کہوں کیا کہوں بھی تو کس سے کہوں۔ تمہیں سننے کی فرصت کہاں۔ گھر میں داخل ہوتے ہو۔ تو یہ کہتے ہوئے۔ کہ افوہ پریشان ہو گیا۔ آج سینکڑوں آدمی سے ملاقات کرنا پڑی۔ سب ایک ہی دن آگئے۔ اب اس وقت کس کی مجال ہے۔ کہ جو زبان ہلا سکے۔ کپڑے اتارے سیدھے غسلخانے چلے گئے۔ غسلخانے سے نکلے کپڑے تبدیل کئے۔ خانساماں نے آئے ہوئے کارڈ پیش کر دیئے۔ موٹر نکلوالی گئی۔ اور آپ بیٹھ کر کلب روانہ ہو گئے۔ اگر کلب نہ جایئے۔ تو دین و دنیا میں سرخروئی نہ ہو۔ اور جو کہو کلب سے جلدی ٹینس کھیل کر واپس آجاؤ۔ تو وہ بھی نہیں ہوتا بمع پارٹی میں نہ شریک ہونے سے شرمندگی ہوگی گھر کا کوئی ضروری

مسئلہ پڑا رہے تو پڑا رہے۔ کیونکہ آئی سی ایس ٹھہرے۔ غرضیکہ وہاں سے دس بجے کبھی گیارہ بجے رات کو گھر واپس ہوئے۔ اب آپ ہی بتائیے۔ اس وقت تک کون جاگتا رہے۔ کہ آپ کسی سے بات کریں گے۔ کیونکہ آپ آئی سی۔ ایس ہیں۔ لیکن اس پر بھی میں نصیبوں جلی جاگتی رہتی ہوں۔ اور اپنی قسمت پر روتی رہتی ہوں۔ پھر وہ وقت بھی آپ ایسے آئی سی۔ ایس ایسوں کے پلنگ پر جانے کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر اس وقت آپ سو نہ جائیں۔ تو طبیعت خراب ہو جائے اور آپ اگر کسی سے کوئی بات پوچھ لیں۔ تو آپ کی ہیٹی ہو جائے۔ صبح نو بجے پلنگ سے اُٹھتے ہی چاء ملنا چاہئے۔ اور جب تک غسلخانہ نہ جائیں۔ اس وقت تک اخبار پڑھتے ہیں۔ کیونکہ دُنیا کی حالت کا معلوم ہونا گھر کی حالت کے ——— جاننے سے زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ آپ آئی۔ سی۔ ایس جو ہیں۔ اور اخبار پڑھتے وقت بھی کوئی آپ سے باتیں نہیں کر سکتا۔ غسلخانے سے لوٹے۔ ڈرائنگ روم میں کپڑے تبدیل کرنے چلے گئے۔ شیو کرنا کپڑے بدلنا وغیرہ کا کام روز ضروری ہوتا ہے۔ اور صبح کا وقت ہوتا ہی کتنا ہے۔ چلئے برک فاسٹ کیا اور آفس چلے گئے۔ میں پھر اپنا منہ لے کر رہ گئی۔ اب آپ ہی بتائیے یہ تو آپ کا پروگرام ہے۔ اب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ میں بھی

آپ کے پیچھے پیچھے دوڑتی رہوں۔ تو شاید کہیں کوئی موقع ایسا میسر آ جائے۔ کہ آپ سے دو چار باتیں کر سکوں۔ اس طرح ہفتہ کے چھ روز گزر جاتے ہیں۔ اب رہ گیا اتوار تو وہ دن آپ کے دوستوں سے نجات نہیں ملتی۔ میری جان تو بڑے غضب میں پڑ گئی ہے۔ اگر کہوں کہ کسی روز کلب نہ جاؤ۔ تو یہ بھی نہیں ہوتا۔ نمازیں چھوٹ سکتی ہیں۔ روزے قضا ہو سکتے ہیں۔ مگر کلب نہیں چھوٹ سکتا۔ کیونکہ یہاں تو ایٹیکیٹ اور فیشن کا سوال آ جاتا ہے۔ اور ایک آئی۔ سی ایس کے فیشن کا سوال ہے۔ اور ایک آئی سی ایس کے لیئے یہ ضروری ہے۔ کہ وہ ان باتوں کو داخل مذہب سمجھے۔ آپ خود ہی سوچئے کہ مَیں اس میں کیا غلط کہہ رہی ہوں سرکاری کام سے تو مجبوری ہے کہ وہ تو کرنا ہی ہوتا ہے لیکن اسکے علاوہ بھی تو آپ کے پروگرام میں گھر کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ کمبخت نوکر چاکر بھی جگہ سے ہل نہیں سکتے کیونکہ ہر وقت انہیں یہ خیال لگا رہتا ہے۔ کہ کہیں صاحب کا کوئی ٹیلیفون نہ آ جائے۔ کوئی ملنے والا نہ آ جائے۔ باورچی کھانا پکانے میں مصروف رہتا ہے۔ خانساماں کو بھی آپ کے سامان کی درستی سے فرصت نہیں ملتی۔ شام کے کپڑے ٹھیک ہو چکے۔ تو صبح کے کپڑے ٹھیک کرنا۔ ڈنر سوٹ نکالنا۔ کلب جانے کا جوڑا تیار کرنا جوتے کی پالش رکھنا

کریم کی شیشیاں لانا۔ شیونگ کا سامان درست رکھنا۔ قابلِ مرمت چیزوں کو مرمت کے لئے دینا۔ غرضیکہ ہر شخص آپ کے پروگرام کے مکمل کرنے کے لئے وقف اب یہی دیکھو۔ آج کے روز سے سوچ رہی ہوں کہ کپڑے والے کو بلواؤں۔ ننھے کے نیکروں قمیضوں کے لئے کچھ کپڑا خرید لوں۔ مگر کون اسے بلائے۔ تم ٹھہرے آئی۔ سی۔ ایس اور آپ کے نوکر آپ سے زیادہ فیشن پرست۔ ہم نے یہ مانا۔ کہ تم آئی سی۔ ایس ہو۔ تمہیں یہ زیب نہیں دیتا۔ کہ غلّہ وغیرہ کی خریداری کے متعلق کوئی مشورہ دو۔ اچھا بھئی نہ سہی۔ مگر کیا عزیز و اقارب کے معاملے میں بھی خانساماں ہی سے مشورہ لیا جائے۔ کہ ننھے میاں کے ابّا سے یہ پوچھو۔ کہ پھوپھی جان کے یہاں مجھے جانا ہے۔ کب جاؤں۔ اگر مَیں بھی گھر کو اسی طرح چھوڑ دیتی۔ تو ساری قدر و عافیت معلوم ہوتی۔ سارا آئی۔ سی۔ ایس پن نکل جاتا۔ پورا گھر آپ کا خانساماں اور بیروں کا گھر نظر آتا۔ ایک فاضل آدمی رکھا۔ اس کو بھی آپ نے اِدھر اُدھر چٹھیاں لے جانے لے آنے پر لگا لیا۔ رہ گئی آیا۔ وہ ننھے میاں کو کھلائے۔ یا گھر کا کام کرے۔ بغانن ایک ہے۔ وہ کمبخت دو قدم چلنے میں ہزاروں نخرے کرتی ہے۔ عید آئی۔ اور گزر گئی۔ لیکن آپ کو ڈنر اور پارٹیوں سے فرصت نہ ملی۔ اور آپ

تو بڑے دن اور گڈ فرائیڈے کی خبر ہوتی ہے۔ آفاق میاں کی سالگرہ کے سلسلہ میں آپ کی دعوت تھی۔ مگر آپ کیوں جاتے۔ آپ کو وائیٹ ہوم میں جانا تھا۔ ہندوستانی دعوت سے ایک آئی سی۔ ایس کو کیا کام۔ افوہ میرا تو جی گھبرا گیا ہے۔ مجھے تو کوفت ہو گئی ہے۔ دن رات یہی سوچا کرتی ہوں۔ کہ کیسے کام چلے گا۔ گھر کی ساری باتیں کہاں تک بتائی جائیں۔ اور آپ کو ان باتوں سے دلچسپی ہی کیا۔ آپ تو آئی۔ سی۔ ایس ہیں۔ میں پوچھتی ہوں۔ کہ جب تم ایک گھر کے انتظامات سے اتنا الگ تھلگ رہتے ہو۔ تو پھر ایک شہر کا انتظام کیسے کرتے ہو۔ یہی ہوتا ہو گا۔ کہ دوسروں کے سہارے کام چلتا ہو گا۔ جس کے ماتحت ملازم نے جو کہہ دیا۔ آپ نے آمنّا صدقنا کہہ کر قبول کر لیا۔ اس کے خلاف کسی نے کہہ دیا — بس اُسے مان لیا۔ تو پھر ظاہر ہے۔ کہ گھر کے معاملات کو کون طے کرے۔ میں عورت ذات اور وہ بھی آپ کے نزدیک ہندوستانی عورت قدامت پسند گھرانے کی آپ کی نظروں میں میری حیثیت ہی کیا۔ اور پھر پردہ میں بیٹھنے والی بہت آزاد سہی۔ مگر اتنی آزاد تو نہیں ہوں۔ کہ خود بزاز کو بلاؤں۔ خود درزی کو آواز دے لوں۔ گھر کی ضروریات کا سامان بازار سے جا کر خرید لاؤں۔ پاس

پڑوس والوں کا کوئی سوال ہی نہیں۔ جبکہ اپنے عزیز و اقارب کی تقریبات تک چھوٹ گئی ہیں۔ کیونکہ تم ہو آئی سی۔ ایس تمہارے نزدیک تو یہ تمام باتیں لغو اور پوچ ہیں۔ مگر میں تو اب تک اسی فضا میں رہی ہوں۔ روزے نہ رکھوں۔ نماز نہ پڑھوں۔ عید نہ کروں۔ سویاں نہ منگاؤں۔ قربانی نہ کروں۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہو سکتا ہے۔ تم ہنستے ہو۔ میرے بدن میں تو آگ لگی ہوئی ہے۔ خدا جانے کیسی آئی سی۔ ایس کے ساتھ عورتیں کس طرح زندگی بسر کرتی ہیں۔ یا تو وہ عورت بھی آئی۔ سی۔ ایس ہو جائے۔ کہ آپ کو ترکی بہ ترکی جواب ملے۔ اور یا پھر وہ اپنی قسمت کو میری طرح روتی رہے ارے یہ رونا نہیں۔ تو کیا ہنسنا ہے۔ تمہارے نزدیک یہ سب ڈھونگ ہے۔ تماشہ ہے۔ لیکن کبھی یہ تو غور کیا ہوتا۔ کہ اگر آپ آئی۔ سی۔ ایس نہ ہوتے۔ تو کیا ہوتا انہیں باتوں سے واسطہ پڑتا۔ کہ نہیں پھر کیا عزیزداری قائم رکھنا کوئی بے اصولی ہے اپنے پرائے کے متعلق خبروں کا رکھنا کوئی تم گناہ و ثواب کیا جانو۔ اچھا خیر جو آپ کی مرضی میں آئے۔ وہ کیجئے۔ میں قسم کھاتی ہوں۔ کہ اب کبھی کوئی بات نہ کروں گی۔ چاہے عزیزداریاں باقی رہیں۔ یا ختم ہو جائیں۔ جب آپ کسی کو نہ پوچھیں گے

تو آپ کو کون پوچھے گا - بس خالی آئی سی - ایس بنے رہئے اسی سے نجات مل جائے گی - آپ کو فرصت نہیں - تو مجھے کب فرصت ہے - مَیں بھی آج اپنے ابا جانی کے یہاں دو چار روز کے لئے جاتی ہوں - اب تم جانو - اور تمہارا کام جانے -

شعر کہنے پر

افوہ۔ مَیں کہتی ہوں۔ کہ تم کو شاعری کا خبط ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے غالب کی روح تمہیں میں سما گئی ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ گھر کی کسی بات کی تم کو پروا نہیں ہوتی۔ مَیں عورت ذات آخر کیا کروں۔ جب دیکھو بیٹھے منہ بنا رہے ہو۔ اور معلوم نہیں کس دھن میں رہتے ہو۔ خدا کی مار تمہارے شعر کہنے پر۔ ذرا آئینہ میں اپنی صورت تو دیکھو۔ یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جیسے کوئی پاگل ہو۔ انسانی شکل ہی نہیں معلوم ہوتی ہے۔ مَیں کہتی ہوں۔ کہ تھوڑی دیر تم سے گھر کے حالات پر گفتگو کروں۔ مگر تم ہو۔ کہ ہر وقت بس شعر کہنے میں مست ہو۔ ابھی کل ہی کی بات ہے۔ کہ رات کو خالہ جان کے یہاں سے آدمی آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا۔ کہ ان کی خالہ جان حج کرنے جا رہی ہیں۔ مَیں نے سوچا تھا۔ کہ تم سے مشورہ کرنے کے بعد جا کر انہیں دیکھ آؤں۔ تم اپنے شعر و شاعری کے چکّر میں تھے۔ صبح کے گئے دس بجے رات

گو گھر میں داخل ہوئے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ گنگناتے ہوئے اور آتے ہی لیمپ جلاکر بیٹھ گئے۔ اور پھر غنے میں ہو گئے۔ ایک دو مرتبہ میں نے کہا بھی۔ کہ تم سے کچھ باتیں کہنی ہیں۔ تم نے ہاں ہاں کر کے ٹال دیا۔ اور یہ کہہ کر اوپر سے بیزاری کا بھی اظہار کر دیا۔ کہ کمبخت جاہلوں سے واسطہ پڑا۔ جو شعر بھی کہنے نہیں دیتے۔ تو ایک تم پڑھے لکھے ہو اور ساری دنیا جاہل۔ کیونکہ تمہیں شعر کہنا آتا ہے۔ اور دوسروں کو شعر کہنا نہیں آتا ہے۔ ہر وقت ہر وقت شعر۔ میرا تو ناک میں دم آگیا ہے کہاں چلی جاؤں۔ کہ پھر اس گھر میں نہ آؤں۔ برسیں گزریں۔ مگر کبھی سیدھے منہ بات نہیں کرتے۔ اور جب کہو۔ تو یہ کہتے ہو۔ کہ میں شعر کہہ رہا ہوں کیا شاعری اسی کو کہتے ہیں۔ کہ انسان ساری دنیا سے بے تعلق ہو جائے میں کہتی ہوں۔ کہ ایسی شاعری کس کام کی۔ اور شاعری اسی کو کہتے ہیں۔ کہ انسان ساری دنیا سے بے تعلق ہو جائے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ ایسی شاعری کس کام کی۔ اور شاعری بھی کیا ہو گی۔ وہی گل و بلبل کے پرانے قصے۔ وہی چونچلے، وہی پرانی باتیں۔ کوئی نئی بات ہو۔ تو بھلا ایک بات کی میں پوچھتی ہوں۔ کہ آخر تمہاری شاعری سے کیا فائدہ۔ ایک آدمی کوئی بات کہتا ہے۔ کوئی کام کرتا ہے۔ تو اس کے متعلق یہ سوچ لیتا ہے۔ کہ اس کا کوئی فائدہ ہے۔ تمہاری شاعری

سے کیا فائدہ نہ دین کے نہ دنیا کے۔ جھوٹی باتیں غلط معاملات اور پھر یہ کہتے ہو۔ کہ یہ استعارات ہیں۔ یہ تلمیحات ہیں۔ میں تمہاری ان باتوں سے عاجز آگئی۔ اور پھر کمبخت ایک دن کا قصہ ہو۔ تو میں بھی چپ رہوں۔ تمہارے روز ہی کہیں نہ کہیں مشاعرے ہوتے رہتے ہیں۔ اور تمہیں وہاں جانا بھی ہے ضروری ورنہ حقہ پانی بند ہو جائے گا۔ اوئی اللہ میں تو کس عذاب میں پھنس گئی ہوں۔ اور پھر مجھ سے یہ بھی کہتے ہو۔ کہ نہ میرے شعر سنتی ہو۔ اور نہ تعریف کرتی ہو۔ آخر کوئی کہاں تک تمہارے شعر سنا کرے۔ اور اگر بیٹھی شعر ہی سنا کروں۔ تو پھر گھر کے اور کام کیسے چلیں۔ گھر کا کوئی اور انتظام کر دو۔ میں ہر وقت تمہارے شعر ہی سنا کروں۔ مجھے کیا کرنا ہے۔ ارے میں کہتی ہوں کہ کیوں ہر وقت اپنا دماغ خراب کیا کرتے ہو۔ اور ایسے کام سے کیا فائدہ جس سے دنیا بنے نہ دین۔ اگر تم نے ایک نہایت عمدہ غزل دو تین گھنٹے کی محنت کے بعد کہہ بھی لی۔ تو اس کا کیا حاصل۔ کسی نے سنا منہ بنایا۔ اور کسی نے تعریف کر دی۔ تو کیا اس تعریف سے پیٹ بھر جائیگا۔ وہ زمانہ گیا۔ جب ایک ایک شعر پر موتیاں نچھاور کی جاتی تھیں۔ اور شاعروں کے دامن کو سیم و زر سے بھر دیا جاتا تھا۔ آج کوئی ہے ایسا۔ کہ جو دس بیس شعر کے دو چار روپیہ ہی دے دے۔ یہ موٹی موٹی کا پیاں

تم نے شعروں سے بھر رکھی ہیں۔ بتاؤ کے ہزار روپے تم کو مل گئے مشاعرہ مشاعرہ کرتے ہو۔ مشاعرہ گیا چولھے بھاڑ میں۔ اپنے پاس سے تانگہ کا کرایہ دو رات بھر پریشان رہو۔ اپنی پوری نیند حرام کرو۔ تو جا کر مشاعرہ میں بیٹھو۔ اور وہ بھی اس اُمید پر کہ کوئی شعر سن کر تعریف کریگا۔ تمہاری تو عقل ماری گئی ہے۔ میں نے بھی مشاعروں کو دیکھا ہے۔ میرے چچا جان بھی شاعر تھے۔ وہ بھی اپنے یہاں مشاعرے کرتے تھے۔ اور مشاعروں میں بڑے بڑے جیّد شاعر آتے تھے۔ مگر کیا مجھے تو کہتے ہوئے شرم آتی ہے۔ کہ مشاعروں میں شاعروں کی۔ جو درگت بنتی تھی۔ خدا نہ کرے۔ کسی شریف آدمی کو ایسی باتوں سے پالا پڑے۔ کمبخت سننا تو درکنار شاعروں کی نقلیں کیا کرتے تھے۔ اور کوئی کہتا تھا۔ اجی حضرت واہ گر گیا کوئی کہتا تھا۔ اجی حضرت۔ کیا غالب سے بڑھکے کہا ہے۔ اجی حضرت ایسے شعر کہنا آپ ہی کا کام اور آپ ہی کی استادی ہے۔ اور خدا جانے کیا کیا کہا جاتا ہے۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ کہ سرِ محفل کسی کی ایسی بے عزتی ہو۔ اور وہ پھر مشاعرہ میں شریک ہو۔ اور وہ کمبخت شعر بھی کچھ ہوں۔ کہیں معشوق نے چھری بھونک دی۔ اور آپ بیٹھے تڑپ رہے ہیں۔ اور اس سے کہتے ہیں۔ کہ ذرا میرے تڑپنے کا تماشا دیکھتے جاؤ۔ اور وہ ہے۔ کہ منہ پھیر کے بھی نہیں دیکھتا۔ بس

اسی شعر پر جھوم رہے ہیں۔ مَیں تو یہ جانتی ہوں۔ کہ جس کا دماغ خراب ہو۔ وہ شاعری کرے۔ ایک تمہیں ہو۔ کہ اب کسی کام کے نہیں رہے۔ اور تو اور دفتر جانا بھی نہیں یاد رہتا۔ تو کیا اس طرح نوکری رہے گی اور اگر تم ہر وقت شعر و شاعری میں پڑے رہو گے۔ کام کیسا کرو گے۔ نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمہیں تمہاری جگہ سے الگ کر دیا جائے گا اور کوئی دوسرا آدمی رکھ لیا جائے گا۔ بس تم شعر ہی کہتے رہو گے۔ کوئی ایک دو مشاعرے نہیں ہوتے ہیں۔ بلکہ مہینے میں سینکڑوں مشاعرے ہوتے ہیں۔ اور ہر مشاعرہ میں تمہارا جانا بھی فرض ہے۔ ورنہ کافر نہ ہو جاؤ۔ توبہ توبہ کیسی کیسی گھناؤنی باتیں۔ یہ کمبخت شاعر کہتے ہیں۔ ارے ان کمبختوں کا کوئی ایمان نہیں ہوتا۔ ان کا کوئی خدا نہیں ہوتا۔ نماز روزہ تو اُن کے واسطے معاف ہے۔ بتاؤ نا تم نے اپنی عمر میں کتنی جمعہ کی نمازیں پڑھی ہیں۔ کتنی مرتبہ روزہ رکھا ہے۔ اسی سے تو کہتی ہوں۔ کہ خدا نے خود کہا ہے۔ کہ شاعر جھوٹے اور الفاظ ہوتے ہیں۔ اب یہی دیکھو نا وہ کیا شعر تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ صبح سے شراب پینے لگے۔ تو شام ہو گئی۔ اور پھر بھی پیٹ نہ بھرا۔ اور ساقی کی طرف جام کے لئے دیکھتے ہی رہے۔ خدا کی مار ایسی شاعری پر۔ جس میں حرام و حلال کا بھی خیال نہیں رہتا۔ کیا تم جانتے نہیں ہو۔ کہ شراب پینا حرام ہے

اور پھر یہ کہنا - کہ شام تک پیتے رہے۔ نیت نہ بھری - شاعری میں ہزاروں باتیں بُرائی کی ہیں - ہاں اللہ رسول کی تعریف کی ہوتی ان کے احکام کے متعلق کوئی شعر کہا ہوتا - تو ایک بات تھی - یا اپنے وطن کی حالت کے متعلق کوئی مرثیہ لکھا ہوتا - تو ایک بات تھی - کیا دن رات معشوق کے ستم و جور میں گرفتار ہیں - نہ آسمان میں پناہ ملتی ہے - اور نہ زمین میں مرنے جاتے ہیں - تو مرنا بھی نہیں آتا - ڈوبنے جاتے ہیں - تو دریا کا پانی خشک ہو جاتا ہے - اور یہ کمبختی کی بات ہے بدنصیبی ہے - خود بیابان میں ہیں - اور مکان میں گھاس اُگی - تو گویا بہار آگئی ہے - اے سبحان اللہ - خدا نہ کرے - کہ میں شعر کہنے لگوں اور بیٹھے بٹھائے اپنے سر پر ایک مصیبت بلا لوں - آپ ہی کی مصیبت کیا کم ہے - پھر کہتے ہو - کہ شعر کہنے سے نقصان کیا ہے میں پوچھتی ہوں - کہ فائدہ کیا ہے - کسی باہر کے مشاعرے میں جاتے ہو - اپنے کام کا حرج کرتے ہو - دفتر سے رخصت لیتے ہو - دو روز کی تنخواہ کٹتی ہے - چند روپے کرایہ کے مل گئے - اور بس بھوکے پیاسے چلے جا رہے ہیں - ارے بھئی کہاں جا رہے ہیں - مشاعرے میں جا رہے ہیں اور محض واہ واہ کے لئے ٹکٹ کے دام مل گئے ہیں - چلو بس دولت مل گئی - اور جو تمام حرج ہو گا - اس کا کون ذمہ دار ہو گا - یہی تھوڑی

دیر کی واہ وا۔ آگ لگے اس شاعری کو اور واہ وا کو اوڑھو گے کہ بچھاؤ گے۔ اور جو تین روز کی تنخواہ کٹ جاتی ہے۔ اس کے معنی کیا ہوتے ہیں۔ کہ گھر کے خرچ میں اتنی کمی ہو گئی۔ قرض کا جو سلسلہ بندھا ہے۔ وہ کبھی ختم نہ ہوگا۔ عزیز و اقارب سے ملنا جلنا چھوٹا اور مفت خدا، پریشانی بڑھی۔ پچھلے اتوار کو سوچا تھا۔ کہ بھائی جان کے یہاں جاؤں گی۔ جاڑے آ گئے ہیں۔ انہیں کے نوکروں سے بچوں کے لئے کپڑے وغیرہ منگالوں گی۔ کیونکہ تمہیں اپنی شعر و شاعری ہی سے فرصت نہیں ہوتی۔ تو تم بچوں کے کپڑے کب خریدو گے۔ یہ ارادہ کیا ہی تھا۔ کہ آپ دہلی کے مشاعرہ کے لئے چلے گئے۔ پھر یہ خیال کیا۔ کہ اچھا آپ دہلی سے واپس آجائیں۔ تو جاؤں گی۔ اب دہلی سے واپس ہوئے تو نزلہ زکام، بخار، کھانسی میں مبتلا چلیے۔ چھٹی ہو گئی۔ ایک مشاعرہ میں کیا گئے۔ اور اپنے اوپر مصیبت لے لی۔ مہینہ بھر علاج ہوا۔ اس میں دس بیس پچاس روپیہ خرچ ہو گیا۔ ادھر تنخواہ کٹی۔ گھر میں تنگی ہو گئی۔ خرچ بڑھ گیا۔ آمدنی گھٹ گئی۔ اگر میں تم سے کہتی۔ اس سردی میں مشاعرے نہ جاؤ۔ تو تم میری جان کو آجاتے۔ اب دیکھو اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لڑکے بوٹیوں پہ جاڑا کاٹ رہے ہیں۔ تمہیں فرصت نہیں۔ میں جا نہ سکی۔ اور ان کے واسطے کپڑے وغیرہ کون خرید کر

لاتا۔ تمہیں اپنے مشاعروں سے کام ہے۔ اور وہی تمہارا دین و ایمان بن گیا ہے۔ مَیں تو جانتی تھی۔ کہ میری زندگی تمہارے گھر آ کر اجیرن ہو جائیگی۔ مگر قسمت کی بات، کون اس کو ٹالتا۔ جو ہونے والا تھا۔ وہ ہو کر رہا۔ تمہیں خود بھی معلوم ہے۔ اور مَیں بھی جانتی ہوں ایک دن یہ لگی لگائی نوکری بھی شعر و شاعری کے نذر ہو جائے گی۔ اور اب تک نذر ہو جاتی۔ وہ تو خدا کو معلوم نہیں۔ کیا منظور تھا۔ کہ تم بچ گئے۔ ورنہ کسر ہی کیا رہ گئی تھی۔ مَیں کیا بتاؤں۔ مارے شوق کے الہ آباد کے مشاعرہ میں گئے تھے نا۔ اور وہاں دو روز صرف ہو گئے۔ منگل کو دفتر پہنچے۔ پھر دفتر کی حالت تم خود بتاتے تھے۔ کہ بڑے صاحب تم پر سخت برہم تھے۔ اور منصوم نے رپورٹ بھی لکھدی تھی۔ پتہ کٹ جاتا۔ وہ تو کہو۔ کہ اس کے دل میں رحم آ گیا اور اس نے اس روز اس معاملہ کو دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ اسی دن نوکری تشریف لے جاتی۔ مَیں سچ سچ کہتی ہوں۔ کہ تم ایک دن پاگل ہو جاؤ گے۔ اور مَیں تو پاگل ہوں ہی پاگل۔ نہ ہوتی تو پاگل کے ساتھ کیوں ہوتی۔ گھر کو لات مار دیتی اور چلی جاتی۔ مگر ناک تمہاری ہی تو کٹتی۔ میرا کیا جاتا۔ پرسوں دروازے پر درزی آ کر چلا گیا۔ اس کو کپڑے کون دیتا۔ تم اپنے شعر کہنے میں مست تھے۔ اس وقت کسی

سے بولنا تمہارے لئے جرم تھا۔ اور گھر میں دو چار آدمی نہیں۔ میں پردہ کی بوبو ٹھہری۔ چلو فرصت ہوئی۔ درزی بیچارہ پکار کر واپس آگیا۔ اور منے کی قمیص نہ بن سکی۔ یہی دیکھئے۔ کہ آج دو روز کے بعد آپ واپس ہوئے ہیں۔ گھر کی ضروریات کا کوئی خیال نہیں۔ اور واپس بھی ہوئے تو کس طرح۔ بیک بینی و دو گوش۔ جو سامان مشاعرہ میں لے کر گئے۔ اس میں سے ایک بھی واپس نہیں آیا۔ کہتے ہو۔ کہ ریل سے چوری ہو گیا تو پھر اب کیا ہو گا۔ کیا چور ہی دے جائے گا۔ یا ریل والے بھجدیں گے۔ یا مشاعرہ کرنے والے آپ کا یہ سب نقصان پورا کر دیں گے۔ اور پھر اتنا سامان توشک لحاف۔ کمبل رضائی چادر تکئے تین جوڑے کپڑے کوئی منہ کا نوالہ ہیں۔ جس کو ایک روز میں اب بنوالیں گے۔ کہیں برسوں میں ایسا سامان تیار ہوتا ہے۔ ارے ایک بات ہو۔ تو میں کہوں کس کس بات کو کہوں۔ اور کس پہ ماتم کروں۔ بس شعر کہا کرو۔ یہ سب پورا ہو جائیگا۔ میں جو کچھ کہتی ہوں۔ تو کہتے ہو۔ پاگل ہو۔ ہاں میں پاگل ہوں۔ حالانکہ پاگل آپ ہیں۔ جو اچھی مانیں اور نہ بری جانیں۔ ابھی پچھلے سال ہی تو ہے ڈاکٹروں نے آپ کو مشورہ دیا تھا۔ کہ دماغ پر بہت زور دینے والا کام کچھ دنوں تک نہ کرنا چاہئے۔ مگر آپ ہیں کہ ہر وقت شعر کہنے

کے غمے میں پڑے رہتے ہیں۔ جو کہیں کچھ خدانخواستہ پھر ہوگیا۔ تو
لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ خود تو بیمار ہی ہوں گے۔ دوسروں کو
بھی آدھ موا کر دینگے۔ میں تو دن رات اس کوفت میں آدھی ہو گئی
اب تو میں کچھ روز کے لئے امی کے پاس چلی جاؤں گی۔ تمہارا جو جی
چاہے کرو۔

ایک دیا سلائی کی ڈبیا نہ لانے پر

موئی ایک دیا سلائی کی ڈبیا کون ایسی بھاری بھرکم چیز تھی۔ جو نہ لائی گئی۔ کسی دوکان سے خرید کر جیب میں ڈال لیتے۔ تو کیا کوئی ہرج ہو جاتا۔ یا عزّت گھٹ جاتی۔ فیشن بگڑ جاتا۔ آخر گھر ہی کا تو کام تھا کسی دوسرے کے لئے تو خریدنا نہ تھا۔ مگر کیوں یاد آتا۔ وہ تو میں نے کہا تھا۔ اگر کوئی اور ہوتی۔ سوتی کہتی۔ تو ڈبیا کیا بڑا سا صندوق اٹھا لاتے۔ ایسی یاد بھی کس کام کی۔ صبح سے تقاضا کر رہی تھی۔ چلتے چلتے یاد دلا دیا۔ رومال میں گرہ باندھ دی۔ مگر غضب خدا کا۔ اس پر بھی تم کو یاد نہ رہا۔ بھلا میں کہتی ہوں۔ کہ تم دفتر میں کام کیا کرتے ہو گے اسی طرح سب کچھ بھول جاتے ہو گے۔ اور اسی سے تو مہینہ میں دو چار دن کٹ جاتے ہیں۔ اور یہاں کہتے ہو۔ کہ چندہ دے دیا۔ جب تم سے ایک دیا سلائی کی ڈبیہ نہ لائی گئی۔ اور اس کا لانا نہ یاد رہا۔ تو اسی طرح ایک دن تم مجھ کو بھی بھول جاؤ گے۔ اللہ رسول کو بھول جاؤ گے

میں کہتی ہوں۔ آخر یہ تمہاری یہ نیستی تم سے کب چھوٹے گی۔ اور تم کب گھر کی طرف توجہ کرو گے۔ جب میں یہ دیکھتی ہوں۔ کہ تم ایک دیا سلائی کی ڈبیا بھی لانے کی یاد نہیں رہتی۔ تو بھلا اور کیا چیزوں کا کیا ذکر ہے۔ کوئی سنے تو کیا کہے۔ کہ ان کے یہاں ایک دیا سلائی کی ڈبیا بھی نہیں رہتی ہے۔ نام بڑا اور درشن تھوڑا تم کو کیا معلوم۔ کہ دیا سلائی کی ایک ڈبیا نہ ہونے سے کیا کیا دقتیں اُٹھانا پڑتی ہیں۔ آگ جلانے کو محتاج بیٹھی ہوں۔ جب شبراتن کمبخت آئے۔ اور باہر سے آگ لائے۔ تو جاکر باورچی خانہ گرم ہو۔ ورنہ یونہی بیٹھی رہوں۔ شام ہو گئی ہے۔ اور گھر میں چراغ نہیں جلا۔ اور جلتا کیسے۔ جب تم دیا سلائی کی ڈبیا لانا بھول جاؤ گے۔ تو میں کیا آخر ہاتھ منہ کو دیا سلائی کی ڈبیا بناؤں گی۔ گھر بھر میں اندھیرا پڑا رہے گا۔ مگر تمہارا کیا بگڑتا ہے تم کو اس سے کیا مطلب۔ اگر اندھیرے اجالے کا خیال ہوتا۔ تو ایک ڈبیا دیا سلائی لیتے آتے۔ اوئی ایسی عادت بھی کیا۔ جو چیز ہے بھول گئے۔ جو کام ہے۔ یاد نہیں رہا۔ ایک دو تین ہوں۔ تو یاد دلاؤں۔ کس کس کو گناؤں۔ اور کس کس کو جھینکوں۔ آج تین روز ہو گئے۔ سر دھوئے ہوئے سر میں ڈالنے کا تیل گھر میں ایک بوند بھی نہیں ہے۔ مگر کہتی کس سے۔ اور کیا کہتی۔ جب دیا سلائی

کی ایک ڈبیا کا لانا یاد نہیں رہا۔ تو بھلا ایک بوتل تیل تو بہت بڑی چیز تھی۔ کمبخت بالوں کو دیکھو۔ تو بالکل کھردرے ہو گئے ہیں۔ مگر تیل نہ نصیب ہونا تھا نہ ہوا۔ دیکھتے ہو آسمان پر کالی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی ہیں۔ اور گھر میں اندھیرا پڑا ہے۔ گھر میں دیا سلائی کی ڈبیا ندارد ہے۔ اگر آج رات کو یہ گھٹا برس پڑی تو قیامت ہی آجائے گی۔ یہ چمک گرج خدا کی پناہ۔ کلیجہ دھلائے دیتی ہے۔ اور تم کو دیا سلائی کی ڈبیا لانا نہ یاد رہا۔ پانی برسے اور پھر برسے۔ کسی کے روکے رک نہیں سکتا۔ اگر خدانخواستہ چھت ٹپکنے لگی۔ تو کہیں بیٹھنے کا بھی ٹھکانہ نہ ہوگا۔ اور نہ اندھیرے میں کچھ سوجھائی دے گا۔ مگر بھلا تم کو خیال کیوں ہوتا۔ جو ایک دیا سلائی کی ڈبیہ لیتے آتے۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ اگر جی پر رکھتے تو سب کچھ ہو سکتا تھا۔ ایک ڈبیا کیا دس ڈبیا آسکتی تھیں۔ مگر وہ تو کہو۔ کہ ہمارے کہنے سے اور ہماری باتوں سے ضد ہے۔ اپنے سگریٹ کا ڈبہ کبھی نہ بھولے۔ اپنے پانوں کی ڈبیہ کبھی نہ بھولے۔ یہاں تک کہ دفتر سے چپڑاسی نہ بھیج کر منگوایا کرتے ہو۔ مگر یاد نہ رہی۔ تو ایک دیا سلائی کی ڈبیا۔ میں یہی تو کہتی ہوں۔ کہ تم کو میری باتوں سے ضد ہے۔ ورنہ کیا تم بازار سے کوئی چیز خرید کر لاتے نہیں ہو۔ سینکڑوں مرتبہ دفتر کی واپسی پر جوتہ کی پالش کی

شیشیاں برش وغیرہ سب خرید خرید کر لائے۔ مگر نہ لائی گئی۔ تو ایک دیا سلائی کی ڈبیا۔ بڑی خیریت ہوئی جو آج کے دن گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا۔ ورنہ ناک ہی کٹ گئی ہوتی۔ بھابھی جان وغیرہ آنے والی تھیں۔ اچھا ہوا۔ کہ وہ آج نہیں آئیں۔ اگر وہ آجاتیں۔ تو وہ بھی یہی دیکھتی۔ کہ ان کے گھر میں ایک دیا سلائی کی ڈبیا نہیں ہے۔ افوہ کس قدر اندھیری رات ہے۔ جو کہیں جلتے جلتے لیمپ بجھ گیا۔ تو کیا ہو گا۔ رات بھر اندھیرے میں گھٹ گھٹ کر رہنا پڑے گا۔ اور چاہے اس اندھیرے میں کوئی گھر میں بھی گھس آئے۔ تو کوئی کیا بنا لے گا۔ کون دیکھے گا۔ اور دیکھے گا بھی تو کیا کرے گا۔ میرا تو دم ہی نکل جائے گا۔ مگر تم کو میرے گھبرانے پریشان ہونے کی کیا پروا۔ تم تو سرائے کے مسافر کی طرح گھر میں آتے ہو۔ تم کو اچھے برے کی کیا خبر تمہاری بلا کو کیا غرض۔ کہ گھر میں کیا ہوتا ہے۔ میرا کیا نقصان۔ تمہیں کو تکلیف ہو گی۔ جب صبح ہی صبح حقہ گڑگڑانے کو نہ ملے گا۔ تو پتہ چلے گا۔ کہ دیا سلائی کی ڈبیا نہ لانے سے کیا تکلیف ہوتی ہے۔ اور پھر جب سویرے چاء اور ناشتہ مانگو گے۔ تو کوئی کہاں سے چاء اور ناشتہ بنا کر دے گا۔ جب ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ تو گھر میں ایک دو نہیں بلکہ دیا سلائی کی ڈبیا ماری ماری پھرتی ہیں۔ اور جب ضرورت ہوتی ہے۔ تو تم کو

بھی ضد ہو جاتی ہے۔ مَیں تو یہ کہتی ہوں۔ کہ گھر کے خرچ کے لئے تو ایک ڈبیا دیا سلائی مہینوں کام دے۔ مگر آگ لگے تمہاری سگرٹوں کو ایک ڈبیا دیا سلائی تو تمہیں پھونک دیتے ہو۔ پھر بھلا کمی نہ پڑے نہ تو کیا ہو۔ اور اس پر یہ حال۔ کہ ایک ڈبیا دیا سلائی کی نہ لائی گئی نوج تمہارا جیسا بھلکڑ انسان کوئی دنیا میں ہو۔ راستہ گلی چلتے۔ تو نگوڑی دیا سلائی کی ڈبیاں بکتی ہیں۔ اور اس پر بھی تم کو خریدنا یاد نہ رہا۔ موئی ایک پیسہ کی اوقات ہی کیا ہے۔ کچھ سو دو سو روپیہ تو خرچ نہیں کرتا تھا۔ کہ جیب میں نوٹوں کے گڈھ ہیں۔ چلو بھئی آج نہیں سہی کل سہی۔ ایک پیسہ کی دو ڈبیاں پکار پکار کر لوگ فروخت کرتے ہیں۔ مگر بنکی اترے تمہاری یاد پر۔ مَیں مانتی ہوں کہ کل ایک درجن دیا سلائی کی ڈبیاں لا دوگے۔ مگر آج کیا ہوگا۔ اور اتنی بڑی پہاڑ سی رات کیسے کٹے گی۔ اور پھر ساون بھادوں کی اندھیری جب اللہ ساتھ خیریت کے صبح کریگا۔ تب کی تب سے ہے ابھی تو سہم سہم کے جان نکلتی جاتی ہے۔

بڑی بوڑھیوں کی کہاوت بالکل سچ ہے۔ کہ ان مردوں کے جو جی میں آتا ہے۔ کرتے ہیں۔ گھی کا گھڑا ڈھلک جائے۔ تو ان کی بلا سے۔ کوئی ڈر ڈر کے جان دے دے تو اُن کی جوتیوں سے

بالکل بے انکس کے ہاتھی ہوتے ہیں۔ تو یہ جھوٹ نہیں ہے۔ نگوڑی ایک ڈبیا دیا سلائی کی نہ لائی گئی۔ تو بھلائیں اور کیا اُمید کروں۔ کہا تھا۔ کہ برسات کا زمانہ ہے۔ کل اتوار کا دن ہے۔ کہوں گی۔ کہ اکٹھا دو چار روپیہ کی سوکھی لکڑیاں بھرا دوں گی۔ تو بھلا جب ایک ڈبیا دیا سلائی کی نہ لا سکے۔ تو بھلائیں دو من لکڑیاں خرید لانا تو بڑی بات ہے۔ بھلا کاہے کو یاد رہے گا۔ سچ مچ کیا تم لوگوں نے مجھ کو دیوانہ بنا لیا ہے۔ یا پاگل سمجھ لیا ہے۔ جو سب کے سب پریشاں کرنے پر تلے رہتے ہو۔ گھر کا چھوٹے سے بڑا تک جو ہے۔ وہ اسی رنگ کا اللہ کی پناہ بھلا اس طرح میری زندگی ہی کاہے کو ہوگی۔ جب گھر کا قرینہ یہی ہے۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ گھر گرہستی میں کیا یہی ہوتا ہے۔ کہ آدمی ایک ایک چیز ٹولہ محلہ میں مانگتا پھرے کیسے شرم کی بات ہے۔ میری تو توبہ ہے۔ جو آج سے میں بازار کے کسی سودے کے متعلق کہوں۔ وہی مثل ہے۔ کہ ہیچ پیا ہزار نعمت کھایا۔ میرا بس چلتا تو میں منہ ہی پر نہ لاتی منگانا تو درکنار۔ لیکن کیا کروں۔ کہنا پڑتا ہے۔ موئی نصیبن کو اپنے ہی الازار سے فرصت نہیں ہوتی۔ بھلا وہ بازار ہاٹ کیوں جانے لگیں۔ اور وہ تو سب سے بڑھ کر ہیں منگاؤ آم لے آتی ہیں۔ املی پھر کوئی کہاں تک ایرا پھیری کرائے۔ کمبخت

گھر کا نام بھی بدنام ہوتا ہے۔ کوئی کیا سمجھے گا۔ کہ نصیبن کی بیوقوفی ہے سب یہی کہہ دیں گے۔ کہ بی بڑی بے ڈھب ہیں۔ اے ابھی جمعہ والے دن کی بات ہے۔ ایک پیسہ کی رنگ کی پڑیا لینے گئی۔ اور آدھا دن ختم کر دیا۔ اور پھر بھی بندی کو گلابی رنگ نہ ملا۔ تو کون اپنا مونڈا منڈائے باہر بیچارہ کریم لولا لنگڑا گھر سے بازار تک چار چھ بیٹھک میں جاتا ہے۔ دو پیسہ کی چیز منگانا ہو۔ تو دو روز پہلے سے ان سے کہا جائے۔ یا دو آنہ یکہ کا کرایہ دیا جائے۔ تو کہیں جا کر بازار سے وہ چیز لے آئیں۔ اب یہ آفت نہیں تو کیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ ہر پھر کر تمہیں سے کہنا پڑتا ہے۔ تمہارا یہ حال کہ ایک پیسہ کی ایک ڈبیا دیا سلائی لانا محال ہے۔ آخر میں پوچھتی ہوں۔ پھر گھر کا اور کام کیسے ہو۔ اب میں بھی ایسے ہی پڑا رہنے دونگی۔ میری جوتی سے اگر گھر میں ڈبیا دیا سلائی کی نہیں ہے۔ چاہے چائے نہ بنے۔ ناشتہ تیار ہو چاہے نہ تیار ہو۔ دفتر کا وقت ہے۔ تو میری بلا سے۔ میں کہاں تک اپنی جان کھپاؤں گی۔ کچھ ایک کے کئے سے تھوڑے ہی ہوتا ہے سب کو فکر رکھنا چاہئے۔ کل بیچاری ہمسائی کے بھائی سے شام وشام آگ کی ایک چنگاری منگائی تو آگ جلی۔ بھلا وہ کیا کہتی ہونگی۔ کہ ان کے یہاں موئی آگ بھی بھیک مانگی جاتی ہے۔ مگر ان کو کیا خبر ہفتہ بھر

سے میاں کی جیب میں دیا سلائی لانے کا پیسہ پڑا ہوا ہے۔ اور وہ روز بھول جاتے ہیں۔ اور کوئی یہ ایک دن کی بات تھوڑی ہے۔ یہ تو روزنہ کا رونا ہے۔ کیا کروں بے بس ہوں۔ ورنہ اس گھر میں تو تھوکنے بھی نہ آتی۔ خدا کی یہی مرضی تھی۔ تقدیر میں تو یہی لکھا ہوا تھا۔ کوئی اُس کو کیسے مٹاتا۔ ماں باپ کو کیا خبر تھی۔ کہ ہماری لاڈلی ایسے گھر جائے گی۔ جہاں ایک ڈبیا دیا سلائی کی بھی میسّر نہ آئے گی۔ وہ تو یہ جانتے ہونگے۔ ہماری لڑکی بڑے آرام سے ہوگی۔ اس کی بڑی خاطرداری ہوتی ہوگی۔ مگر یہاں کمبخت یہ حال۔ کہ ایک ایک چیز کا کال ایک ایک بات کا رونا۔ دن میں کوئی ایسی گھڑی ایسی نہیں گزرتی۔ جس میں مجھے ایک ایک کام کے لئے چیخنا چلانا نہ پڑے۔ اُفوہ نصیب کی بات ہے۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ دمڑی کا چراغ گھر کا لعل ہوتا ہے۔ مگر میں کہتی ہوں۔ وہ چراغ بغیر دیا سلائی بیکار ہے۔

چوہوں نے بکس کے تمام کپڑوں کا ستیا ناس کر دیا ہے۔ کہا تھا۔ کہ چوہے دان لا دو۔ تم سے وہ بھی نہ ہوا۔ سوچا تھا۔ کہ آج دیا سلائی آجائے گی۔ تو آٹے میں گھول کر دے دوں گی۔ چوہے مر جائیں گے تو بھلا تم دیا سلائی کیوں لانے لگے۔ دیکھو وہ کیا گڑبڑ ہو رہی ہے

سب کانٹے پھینکے دیتے ہیں۔ گھر کو گھوڑ دوڑ کا میدان بنا رکھا ہے۔ اگر کہیں تمہارے کوٹ پتلون کی خواری ہو۔ تو تم کو پتہ چلے۔ اور ہوش آئے۔ میرے کہنے کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ سمجھتے ہو۔ کہ ایک پاگل ہے۔ یہ چیخ رہی ہے۔ آپ ہی چپ ہو جائے گی۔ تو مجھے کیا کرنا ہے۔ اب میں کبھی منہ سے نہ نکالوں گی۔ چاہے گھر میں چوہے لوٹیں یا کتے ـــــ میں آج ہی تو ابا جان کو لکھتی ہوں۔ ان کا جواب آیا۔ اور میں روانہ ہوئی۔ تم جانو تمہارا کام جانے میں کاہے کو اپنے کو کوفت میں گھلا گھلا کر رہوں۔ رات تو کسی نہ کسی طرح گزر ہی جائے گی۔ صبح تو بندی ایک منٹ کے لئے بھی نہ ٹھہرے گی بس بس آپ اپنی باتیں رہنے دیجئے۔ خوب دیکھ لیا۔ خوب سمجھ لیا۔ کوئی کہاں تک ایک ایک چیز کی محتاجگی اٹھائے۔ وہی مثل ہے۔ اشرفیاں لٹیں۔ اور کوئلوں پر مہر ہو۔ باہر تو لوگ یہ جانتے ہونگے۔ کہ ہیڈ کلرک صاحب کا مکان ہے۔ مگر اندر یہ حال ہے۔ کہ ایک ڈبیا دیا سلائی کی بھی موجود نہیں ہے۔ کیا کہتے ہو۔ میں کوئی نادان نہیں ہوں سب کچھ جانتی ہوں۔ سب کچھ سمجھتی ہوں۔ مگر پھر بھی طبیعت سے مجبور ہوں۔ ورنہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں تو تمہارے ہی آرام کے لئے پریشان رہتی ہوں۔ کہ وقت پر کھانا

ملے۔ وقت پر ناشتہ ملے ؎

مَیں خدانخواستہ نصیحت کیوں کرنے لگی۔ اور میری نصیحت بھلا آپ کیوں سُننے لگے۔ اگر یہی ہوتا ہے۔ تو موئی ایک ڈبیا دیا سلائی کی کیا حقیقت ہے۔ راستہ میں جس گلی سے گزر جاؤ ادھر ہی دو چار دیا سلائی بیچنے والے مل جائیں گے۔ مگر جو یہ خیال ہونا۔ کہ یہ کام گھر کا ہے۔ وہ تو ایک دیا سلائی کی ڈبیا لانے میں شان گھٹتی ہے۔ اپنے گھر سے ایک مزدور کیطرح کاغذات کا پستارہ باندھ کر روز لے جاتے ہیں۔ مگر شرم نہیں آتی ہے۔ مَیں کہتی ہوں۔ کہ اس میں بھلا شرم کی کیا بات ہے۔ کیا کوئی اپنے گھر کا کام نہیں کرتا ہے۔ بڑوں بڑوں کو دیکھا ہے۔ جن کی ناک پر مکھی بیٹھنے نہیں پاتی ہے۔ وہ گھر کو گھر سمجھتے ہیں۔ اور چولھے میں لگانے کی مٹی بھی بازار سے خرید کر لاتے ہیں۔ اور پھر بھی شرم نہیں آتی ہے۔ ایک تم بڑے لاٹ صاحب ہو۔ کہ ایک ڈبیا دیا سلائی کی لاتے ہوئے شرماتے ہو۔ آخر پھر کیا بات ہے۔ جو ایک پیسہ کی دیا سلائی نہ خرید کر لائی گئی۔ اگر یہ کہہ دو۔ کہ مَیں خرید کر ہر چیز لایا کروں۔ تو یہ بھی سہی۔ تم اب گھر میں میری جگہ پر وہیں بیٹھو۔ اور مَیں بازار سے سودا

سلف کر کے لایا کروں گی۔ اس میں آپ کی عزت بڑھے گی۔ جی چاہتا ہے۔ کہ اپنا منہ نوچ ڈالوں۔ یا گھر سے کہیں چلی جاؤں۔ توبہ توبہ میری جان غضب میں پڑ گئی ہے۔ ہر وقت یہی لگا رہتا ہے۔

خواب دیکھنے کے بعد

چلو چلو، تم مجھے دیوانہ بناتے ہو۔ میں کبھی نہ مانوں گی۔ آنکھوں کی دیکھی۔ کانوں کی سُنی بات کو جھٹلاتے ہو۔ جس طرح تم خود جھوٹ بولتے ہو۔ ویسے ہی دوسروں کو جھوٹا بناتے ہو۔ صریحاً میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ کہ تم ایک عورت کے پاس بیٹھے ہو۔ کانوں سے سُنا کہ تم نے ایک جوڑا طلائی بُندہ لا دینے کو کہا۔ اور پھر کہتے ہو۔ کیسی باتیں کرتی ہو۔ میں ایسی باتیں کرتی ہوں یا تم خواہ مخواہ جلاتے ہو۔ توبہ توبہ خدا نہ کرے تمہارا جیسا کوئی کسی کا ننگا اچکّا میاں ہو۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ تم سے ایک کا تو بوجھ اُٹھایا نہیں جاتا۔ ایک دوسری اور تلاش کر لی۔ ہیرا گیا۔ تم ایک نہیں دس لاؤ۔ مگر پہلے اس کا بار برداشت کرنے کو پیدا کر لو۔ کیا انہیں چند ٹکیوں پر اتنا اتراتے ہو معلوم ہوگا۔ جب وہ فرمائشیں کرے گی۔ تمہاری ہستی ہوا ہو جائے گی۔ بھاگتے راستہ نہ ملے گا۔ یہاں تو ایک ساڑھی

کے لئے رگ رگ کر مر جاتی ہوں اور تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی ہے۔ جب وہاں روزانہ فرمائشات ہونگی۔ اور فرمائشوں کی بوچھاڑ ہوگی تو کیا کروگے۔ کوئی ایک چیز تھوڑی ہی ہے۔ آج ساڑھی لاؤ کل لیس بیل فیتہ لاؤ۔ پرسوں ورانش لیمپ ساڑھی کے بروج بالوں کے لئے کلپیرس سوپ۔ لیموں ریشمی رومال۔ اصغر علی محمد علی کے یہاں کا عطر۔ دہلی کا حلوا سوہن۔ مظفرپور کی لیچیاں ملیح آباد کے آم۔ آج جو گھر میں میاں بنے بیٹھے رہتے ہو۔ کل ہی سے میاؤں ہو جاؤگے۔ اس سے چوگنی تنخواہ پانے لگو گے۔ تب بھی تو پورا نہ پڑیگا اور مجھے کیا ہے۔ لونڈی غلام کی طرح کبھی کوئی چیز لائے سامنے پھینک دی۔ چلو فرصت ہوئی میں تو شروع ہی سے تمہارے یہ ڈھنگ دیکھ رہی تھی۔ اور اپنی جگہ پہ سوچ رہی تھی۔ کہ دیکھو یہ اونٹ کس کل بیٹھے۔ آج وہ تمام باتیں آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔ اب بھی نہ یقین آئے تو مجھ سے زیادہ کوئی بیوقوف نہیں ہے بس اب آپ اپنی این وآن رہنے دیجئے۔ میں نے خوب دیکھ لیا۔ خوب سمجھ لیا۔ اب کہاں کہاں کرتے ہو۔ غضب خدا کا۔ میری ہی چھاتی پر مونگ دلتے ہو۔ اور مجھی سے پوچھتے ہو۔ کہاں اب میں ایسی بھی پاگل نہیں ہوں۔ اور پھر کوئی دوسرا دیکھتا کہتا۔ تو شاید

یقین نہ آتا۔ وہ تو اللہ کو کچھ اچھا کرنا منظور تھا۔ جو مجھے یہ سب کھیل دکھا دیا۔ ورنہ میں ہمیشہ اسی چکر میں رہتی۔ میں یہی سوچا کرتی۔ کہ روزانہ دفتر میں اتنا کام رہتا ہے۔ کہ آٹھ آٹھ بجے رات تک آدمی وہاں سے آئے۔ اور پھر جس کی ماتحتی میں بیسوں کلرک ہوں۔ وہ بھی دفتر میں اس قدر پیستا رہے پھر آدمی جب اتنا کام کر کے آئے تو اسے آرام کی بھی ضرورت ہے۔ ایسا بھی کیا۔ کہ ادھر آئے اور اُدھر سیر کو نکل گئے۔ تو رات کے بارہ بجے پوری پوری رات گزر گئی اب جا کر پتہ چلا ہے۔ اور اب یہ ساری کڑیاں مل گئیں۔ کہ اسے اپنی ہوتی سوتی کے یہاں روز جاتے ہیں۔ اور گھر میں روزانہ بہانہ بازی کرتے ہیں۔ میں بھلا سیدھی سادھی کیا اس راز کو سمجھتی۔ اور اگر کسی نے میرے خاندان میں ایسا کیا ہوتا۔ تو مجھے معلوم ہوتا۔ مجھے آج تک خبر ہی نہ تھی۔ کہ سیر کے حیلہ سے آپ ایک دوسری بیگم صاحبہ کی خدمتگاری کے لئے تشریف لے جاتے ہیں۔ اچھا جو آپ کا یہ ارادہ ہے تو بسم اللہ۔ جہاں چاہے جائیں۔ میں بھی اپنے بھائی جان کے پاس جاتی ہوں۔ اب آنا وانا درکنار، ہاں ایک دن میں بھی آپ کو کچہری کی سیر کراؤں گی۔ پھر دیکھوں گی۔ کہ وہ چہیتی بیگم صاحبہ کیا کرتی ہیں۔۔۔ افوہ یہ بھی ایک قسمت کی بات ہے۔ کہ ماں

باپ نے اُٹھا کر بھاڑ میں جھونک دیا۔ میں خدا کے غضب سے ڈروں۔ اور تم کو اتنا بھی نہ خیال نہ آئے۔ اور پھر یہ دیدہ دلیری کہ میرے ہی سامنے اس سے باتیں بھی ہوں۔ فرمائشات کی تعمیل کا وعدہ بھی کیا جائے۔ سنتے ہو جی کسی اور بھروسہ پہ نہ رہنا۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری یہ سب باتیں دیکھ کر میں چپ رہوں گی۔ میں بھی وہ تگنی کا ناچ نچاؤں۔ کہ دیکھتے رہو۔ ذرا مجھ کو بھائی جان کے پاس پہنچنے دو۔ بس پھر تماشہ دکھاؤں گی۔ موئی کل موئی چڑیل تمہارے ہنس ہنس کر باتیں کرنا بھول جاؤ گے۔ ایک ہی دن میں دماغ ٹھیک ہو جائیگا۔ پوچھتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ یہ بھی کیا کوئی جادو کا کھیل ہے۔ کہ میری آنکھوں کو نظر لگ گئی تھی۔ جو میں نے غلط دیکھا جو کچھ دیکھا صحیح دیکھا۔ اور اب پھر کہتی ہوں۔ کہ اپنا اور تمہارا گلا ایک کر دونگی۔ تب اس مالزادی کو گھر کے اندر قدم رکھنے دوں گی۔ یہ بھی کوئی ہنسی ٹھٹھا ہے۔ کیا مجال جو میرے ہوتے کوئی دوسری آجائے۔ جو میں وہ دوسری بھی نہیں ہو سکتی ہے۔ اب مجھے باتوں میں نہ اڑاؤ۔ میں ایسی ننھی نادان نہیں ہوں۔ اور پھر جب تک ہی رہی۔ مگر اب میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی کئے بغیر نہ رہوں گی اپنی اور تمہاری بوٹیاں دانتوں سے نوچ ڈالوں گی۔ دیکھوں تو بھلا

اب تم گھر سے باہر کس طرح قدم نکالو گے ۔ کہیں خواب و خیال کی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ آنکھوں میں دھول جھونکتے ہو۔ بڑے آئے وہاں سے کہنے۔ کہ خواب سچا نہیں۔ جب میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ تو پھر خواب کیسے سچا نہیں ہے۔ اور تمہیں خود ایک مرتبہ اپنا خواب بیان کر رہے تھے۔ اور کہہ رہے تھے۔ کہ یہ واقعہ بالکل تم پر گزرا ہے۔ اب کہو۔ مجھے جھوٹا بناؤ۔ تمہارا خواب سچا ہے۔ اور سب کا خواب جھوٹا ہے۔ اب تو تم توبہ توبہ قرآن کا جامہ پہن کر آؤ۔ تو بھی میں یقین نہ کروں۔ ایک نہیں لاکھ حلف اُٹھاؤ۔ تمہارا کیا۔ تم تو دن رات یہی کرتے رہتے ہو۔ سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنانا تمہارے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ مجھے کیا کہتے ہو۔ جو تمہاری حرکتوں سے واقف نہ ہو۔ اس سے اگر کہتے۔ تو شاید وہ یقین کرتا۔ میں کیسے یقین کر سکتی ہوں۔ بیسوں مرتبہ اس گھر میں میں نے دیکھا۔ کہ دودھ والی آئی۔ اور تم اس سے ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے اور اس روز چوڑی والی آئی۔ گھنٹوں اس کی چوڑیاں دیکھتے رہے۔ شبراتن کی لڑکی آئی۔ اور جھٹ سے چار آنہ انعام دے دیئے۔ اب میں کیا گدھی ہوں۔ سمجھتی نہیں۔ آنکھوں سے دیکھتی نہیں۔ توبہ توبہ کیا کرتے ہو۔ میری زبان نہ کھلواؤ۔ ورنہ ساری بخیہ ادھیڑ کر رکھ دوں گی۔

تم جانتے ہو۔ جو کچھ میں کرتا ہوں ۔ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں مگر تمہارے فرشتہ خاں کو بھی نہیں معلوم ہے۔ کہ مجھے سب خبر ہو جاتی ہے ۔ اور پھر کوئی اچھی بات ہو۔ تو وہ بھی سہی۔ کہیں ایسی باتیں چھپا کرتی ہیں۔ خوب آئے وہاں سے نہیں کرنے ۔ ایک نہیں ہزاروں قسمیں کھاؤ۔ اور اپنا ایمان خراب کرو۔ تم چاہے اور جس کو دھوکا دے دو۔ مگر مجھ کو دھوکا نہیں دے سکتے ہو۔ اگر میرا یہ خواب جھوٹا ہوتا۔ تو اس سے پہلے کوئی خواب دیکھتی۔ اور کہنے کو ہوتا۔ کہ ہاں بھائی خواب وخیال کا کیا بھروسہ اور یہ باتیں محض خواب کی باتیں ہیں۔ جب تم اس بات پہ آمادہ ہو گئے ہو۔ تو گھر کا قرینہ کیا درست ہو سکتا ہے۔ نہ معلوم کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ تب جا کر کہیں گھر کا کام چلتا ہے۔ اب انہیں چند ٹکیوں پر ایک نیا شوق ہو گیا ہے۔ بس چلئے گھر بھر کا صفایا ابھی تو خیر تنخواہ چندہ اور جرمانہ کے حیلہ سے باہر ہی باہر خرچ کر دیتے ہو۔ مگر آگے بڑھ کر تو تم گھر پر بھی ہاتھ صاف کرو گے ۔ اور یہ دو چار چھلے انگوٹھیاں میرے پاس ہیں۔ ایک دن اس پر بھی ہاتھ صاف کرو گے ۔ اچھا ہوا جو اپنا نکلس اس روز تم کو صفائی کرانے کے لئے نہیں دیا۔ ورنہ وہ بھی ہاتھ سے جاتا۔ اور تم یہی کہتے۔ کہ وہ تو سنار لے کر بھاگ گیا۔ میں کیا کوئی

جھوٹ کہتی ہوں۔اسی طرح انسان کی عادت خراب ہوتی ہے۔ خدا نہ کرے
کہ کسی مرد کو بدعادت ہو جائے میں تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برباد ہو گئی تمہارا بات
بات میں بگڑنا ہر وقت گھر میں مُنہ پھلائے رہنا۔یہی وہ سبب تھا کہ وہ
چڑیل ہر وقت سر پر سوار رہتی تھی۔ بھلا میری باتیں تم کو کیا اچھی لگتیں
اور میں بیچاری اس راز کو کیا سمجھتی۔ شبراتن او شبراتن موئی شبراتن جا
حرامزادی ایک تانگہ لے آ۔میں اب اس گھر میں ایک منٹ کیلئے بھی نہ
رہونگی۔ آگ لگاؤں گی دیوانوں کی طرح دیواروں سے باتیں کروں گی
میاں اپنے رنگ محل میں رہیں گے۔میں کیا کوئی غلام یا لونڈی ہوں میں بھی
اپنے ماں باپ کی دُلاری ہوں۔اگر میرے بھائی جان سن لیں۔تو وہ مجھے یہاں
سانس بھی نہ لینے دیں چہ جائیکہ رہنا۔بس میں نے بھی طے کر لیا ہے کہ اب
اس گھر کا کھانا پانی میرے لئے حرام ہے۔میاں تم بھی اپنا کیا کام دیکھو
اور آرام سے مزے اڑاؤ۔میں تمہاری راہ میں کانٹے کی طرح کھٹک رہی
تھی۔نکلی جاتی ہوں۔مگر یہ نہ سمجھو کہ میں تم کو چین سے رہنے دونگی۔ اپنے
مہر کا سوا لاکھ روپیہ کھڑے کھڑے گنوا لوں گی تب چین آئے گا۔خدا کا غضب
خدا کا قہر ٹوٹے اس مردار پر۔جس نے ہمارا سہاگ لوٹنے کی کوشش کی
خیر میں تو چپ رہوں گی۔مگر میرا صبر دونوں پر پڑیگا۔ گھر تو خراب ہوا ہی ہے
اب کون اس کو بنا سکتا ہے ؎

چاء کا سٹ خریدنے پر

آخر لے آئے نا چاء کا سٹ۔ میں تو جانتی تھی۔ کہ تمہاری جیب میں یہ دس روپیہ کا نوٹ اچھل رہا ہے اور صبح ہی شام میں اس کا وارا نیارا ہو جائیگا۔ اور پھر میں جس چیز کو منع کروں۔ بھلا تم وہ نہ لاؤ۔ اس کی تو تم نے قسم کھائی ہے۔ کہ میرا کہنا نہ کروگے۔ چاہے اِدھر کی دُنیا ادھر ہو جائے۔ کچھ اس چاء کے سٹ ہی پر نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو تمہارا دستور ہو گیا ہے۔ کہ تم وہی کام جان بوجھ کر کروگے جس سے دوسرے کو چڑھ ہو۔ اچھا بھلا یہ بتاؤ۔ کہ اس چاء کے سٹ کی کیا ضرورت تھی۔ اگر ابھی نہ لاتے۔ تو کوئی نقصان ہو جاتا۔ یا یہ کوئی ایسی چیز تھی۔ کہ پھر نہ ملتی۔ مگر نہیں وہ جو میں نے کہا ہے۔ کہ منع کیا تھا۔ میری باتیں تو تم کو زہر معلوم ہوتی ہیں۔ اچھا تو وہ پرانا سٹ جو رکھا ہے۔ توڑ کر پھینک دو۔ کیونکہ اب اس نئے سٹ کے سامنے اس کی کیا ضرورت ہے۔ اور پھر ایک وقت میں ایک ہی سٹ

کی کیا ضرورت ہے۔ بس اس نئے سٹ کو استعمال کرو۔ خدا کی پناہ تم نے بھی فضول خرچیوں کی انتہا کر دی ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے اس کا کبھی خیال بھی نہیں کرتے۔ اور جس چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس سے گھر بھر دیتے ہو۔ اب یہی دیکھو نا۔ کہ سٹ لانے کی دھن ہوگئی۔ تو ایک دو نہیں، تین چار خرید کر رکھ دئے ہیں۔ اب سوا اس کے کہ موئی نصیبن توڑ ڈالے یا اندھا کریم اس کا صفایا بول دے اور کیا ہوگا۔ اور ایک روز یہی ہونا ہے۔ کوئی کہاں تک حفاظت کرے گا۔ ایک سٹ کی تو حفاظت ہو نہیں سکتی۔ اب یہ دو نئے خرید لائے۔ ساری پیالی گر کر ٹوٹ جائیں گی۔ اور یہ دس روپیہ مٹی میں مل جائیں گے۔ مگر تم کو اس کا کہاں خیال۔ جو دل میں آگیا۔ کر گزرے۔ اس سے بحث نہیں۔ کہ فائدہ ہوگا یا نقصان دس روپیہ جیب کے لئے بوجھ ہو رہے تھے۔ پھینک آئے۔ میں تو کہتی ہوں۔ یہ تو دس روپیہ تھے۔ اگر پچاس روپیہ کا نوٹ ہوتا۔ تو وہ بھی واپس نہ آتا۔ اور آج گھر میں چاء کے سٹ کی پوری دوکان لگی ہوتی۔ دیکھو اپنی پسند کا ایسا ہی خیال ہوتا ہے۔ میں نے کہا تھا کہ میرے روزمرہ کے استعمال کے لئے دو ساڑھیاں لا دو۔ مگر چاء کے سٹ خریدنے کے سامنے ساڑھیاں یاد نہ رہیں۔ پانچ روپیہ

کی وہ ساڑھیاں نہ لائی گئیں - اور دس روپیہ چاء کے سٹ کیلئے صرف کر دیئے - کوئی دیکھنے سمجھنے والا ہو - تو بتایئے - کہ پھوہڑپن نہیں - تو کیا ہے - بھلا میرے کہنے کا تم پر کیا اثر ہوتا - اور پھر میں بھلی احمق ہوں - جو تم کو منع کرتی ہوں - اس کا نتیجہ تم خود بھگتو گے تم اپنی پوری تنخواہ سے ایک دن میں بازار بھر کے چاء کے سٹ ہی کو کھانا پینا اوڑھنا اب چاہے گھر میں فاقہ ہوں یا لوگ ننگے پھریں تمہیں اس سے سروکار نہیں ہے - بس دس روپیہ چاء کے ایک سٹ پر خرچ کر دیئے نہ اپنا خیال ہے نہ گھر کا نہ گرہستی کا - آج آٹا ختم ہو گیا - مسالہ کی ہانڈیاں خالی پڑی ہیں نمک نہیں ہے - روپے ہوتے تو یہ سب چیزیں آجاتیں - لکڑی والی آئی تھی - آخر روز دو آنہ کی لکڑیاں آتی ہیں - اس سے کہہ دیتے - تو ایک مہینہ کے خرچ کے لئے تین روپیہ کی لکڑیاں ڈال جاتی - مگر تمہیں کیا پرواہ - تمہاری تو وہی مثل ہے - کہ باہر لبے تبے اور گھر میں چوہے پکے - مگر کمبخت زبان نہیں مانتی - آنکھوں سے دیکھتی ہوں - تو مجبوراً کہنا ہی پڑتا ہے - کہ یہ تنخواہ دیکھو - اور چار چار دس دس روپیہ کے چاء کے سٹ خرید نے پر آمادہ ہوئے تو خرید لے ہی چلے جاتے ہیں - اگر گھر میں بیٹھ کر انتظام کرنا پڑے

تو پھر آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو آجکل کے زمانہ میں روپیہ تو دکھائی نہیں دیتا۔ گرانی کا یہ حال ہے۔ کہ ایک روپیہ کا آٹھ سیر آٹا ہے۔ اور تم ہو۔ کہ دس روپیہ کا ایک سٹ خریدنے پر صرف کرتے ہو سوچو تو اگر آج یہ دس روپے ہوتے۔ تو کتنے کام نکلتے۔ جن کو منٹ بھر میں اڑا دیا۔ میں پوچھتی ہوں۔ کہ ان پرانے سٹوں میں کونسی خرابی پیدا ہو گئی۔ جو نئے سٹ لانے کی ضرورت پڑی۔ کیا یہ سٹ سونے کا ہے۔ اور وہ مٹی کے ہیں۔ اگر ایسا ہی تھا۔ تو ان کو ناحق خرید کیا تھا۔ مگر سمجھائے کون۔ آدمی کے عقل ہو۔ تو وہ خود اپنا آگا پیچھا سوچ لیتا ہے۔ اگر چاہتے تو انہیں دس روپوں میں بچوں کے دس بیس کپڑے تیار ہو جاتے۔ اور سال بھر تک کپڑا بنوانے کی فکر سے آزاد ہو جاتے۔ مگر وہ تو چاء کا سٹ خریدنے کا سر پر بھوت سوار تھا۔ اس کی کس کو فکر تھی۔ کہ بچوں کے لئے کپڑا بنوانا ہے اور پھر چاء کے آگے بچوں کا کہاں خیال معلوم ہوتا ہے۔ کہ قارون کا خزانہ کہیں سے ہاتھ لگ گیا ہے۔ ڈیڑھ سو کی تنخواہ نہ ہوئی جاگیر ہو گئی اب دس روپیہ کے چاء کے سٹ چار آ گئے۔ بیٹھنے کی کوئی کرسی نہ آئی۔ گھر میں کوئی الماری نہیں ہے۔ اب آخر یہ سٹ کہاں رکھے جائیں گے۔ ایک ٹوٹا پھوٹا طاقچہ ہے۔ چاہے اس میں چاء کا سٹ

رکھو یا اور کچھ۔ بھر دو گھر میں چوہوں کی فوج ہر وقت پھرا کرتی ہے
ایک چوہے دان نہ لانا تھا۔ نہ لائے۔ اب سٹ چوہے کہیں بچنے
دینگے۔ ایک ہی دن میں چور چور کر کے رکھ دیں گے۔ جب آدمی دس
روپیہ کا چاء کا سٹ خرید کر کے لائے۔ تو اس کے رکھنے کا سامان
بھی کرنا چاہئے۔ گھر میں اتفاق سے مہمان آجائے۔ تو کہیں رہنے
کا ٹھکانہ نہیں ہے۔ گھر کی چارپائیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہیں۔
اس کی کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ نہ خیال آیا۔ کہ ان چارپائیوں کو
درست کرالیں۔ جس میں زیادہ سے زیادہ دو روپیہ خرچ ہوتے۔
اور پھر ہر وقت کام آنے والی چیز ہے۔ مگر وہ جو دس روپیہ والے
بغیر سٹ کے زندگی نہ ہوتی۔ اُفوہ کہاں تک سمجھاؤں۔ کہاں
تک کہوں۔ مجھ کو تو یہ بک بک کوفت ہو گئی ہے۔ لیکن کیا کروں گھر
کے قرینہ کو بھی دیکھا نہیں جاتا۔ میں تو ایک ایک پیسہ احتیاط سے
خرچ کرتی ہوں۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو۔ مہینہ میں کم پڑ جائے یا وقت
بے وقت کے لئے گھر میں ایک کانی کوڑی نکلے۔ مگر تم ہو۔ کہ بغیر دس
روپیہ والے سٹ کے چاء نہیں پی سکتے۔ مجھ سے کیا کہتے ہو۔ میں نے
ایسے ایسے ہزاروں سٹ دیکھ ڈالے ہیں۔ لیکن ایسی فضول خرچی
نہیں دیکھی۔ بڑے بڑے گھروں میں بھی اس طرح نہ ہوتا ہوگا۔

جیسا تم کرتے ہو - اب یہی دیکھو نا - تمہارے پڑوس میں ڈپٹی صاحب رہتے ہیں - جن کی تنخواہ تمہاری تنخواہ سے تگنی چوگنی ہے - مگر ایک معمولی سٹ میں چاء پیتے ہیں - جس کی قیمت اگر بازار میں دریافت کروں تو دو روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی - لیکن تمہاری طرح دس روپیہ والا چاء کا سٹ خریدنے نہیں پھرتے ہیں -

دیکھو نا یہی سبب تو ہے - کہ ان کا آج ہزاروں روپیہ بنک میں جمع ہے - تمہاری طرح تھوڑے ہی ہیں - کہ اگر خدا نخواستہ کل کوئی گھر میں بیمار ہو جائے - تو ڈاکٹر کی فیس بھی گھر میں نہ نکلے - میں جانتی ہوں کہ یہ سٹ انہیں لچوں لفنگوں کے واسطے خریدا گیا ہے جن کو تم اپنا دوست کہتے ہو - اور جنہوں نے آجتک تم کو ایک گلاس پانی کے لئے بھی نہ پوچھا ہوگا - ان کو کیا مزے سے آئیں گے - باتیں بنائیں گے - اور تم انہیں اس قیمتی سٹ میں چاء پلانا - بس چلو دس روپیہ وصول ہو جائیں گے - اور جو یہی دس روپیہ رکھے رہتے - تو گھر کے نا معلوم کتنے کام نکلتے - پرانی جوتی گھر میں پہنے پھرتے ہو - اتنی توفیق نہ ہوئی - کہ ایک پمپ خرید لاتے - جس سے حیثیت بنتی - جو ضروری چیز تھی - موئے چاء کے سٹ کے لئے - دس روپیہ برباد کر دئے - آخر انسان کو کچھ تو سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہئے - میں اگر کہتی ہوں - تو

برائی ہوتی ہے۔ اور نہ کہوں تو بھی نہیں بنتا۔ گھر کا سارا ہنگامہ تو میرے ہی سر پر رہتا ہے۔ گھر میں اگر ایک پیسہ کا تیل بھی زاید آجاتا ہے تو کہتے ہو بد انتظامی ہے۔ اور دس روپیہ کا چار کا سٹ خرید لائے۔ یہ بڑا حسن انتظام ہے۔ خدا کی پناہ کوئی کہاں تک کہے۔ اور اپنی جان کھپائے اور کیسے کوئی انتظام کرے۔ سینکڑوں کے تقاضہ سہتی ہوں۔ گھر کا جو سودا ادھار لیا جاتا ہے۔ اسکی کوئی فکر نہیں ہے بیٹھے بیٹھے دس روپیہ کا چار کا سٹ خرید لائے۔ ٹکے ٹکے المونیم کی پتیلیاں ملتی ہیں۔ دو مہینہ سے کہہ رہی ہوں۔ کہ چار پتیلیوں کی ضرورت ہے خرید لاؤ۔ آجکل پر اس کو ٹالتے رہتے ہو۔ اور دس روپیہ ایک منٹ میں ایک سٹ پر خرچ کر دیا۔ یہ تو ہے آپ کی آدمیت اور معقولیت پھر کہتے ہو۔ کہ عورتیں پھوہڑ ہوتی ہیں۔ اگر دس دس روپیہ کر کے بنک میں رکھتے۔ تو آج کئی ہزار روپیہ جمع ہوتا۔ بھلا کہاں اتنی سوجھ بوجھ عورتوں کو پھوہڑ بنانے کو ہو اُٹھے۔ اور ایک سٹ دس روپیہ کا خرید لائے۔ ایک اسی سٹ ہی پر کیا ہے۔ جاڑا پورا ختم ہو گیا لیکن تم سے ایک سویٹر نہ لائی گئی۔ جیسے اس میں چھپن ٹکے خرچ ہوتے موئی دو دو تین تین روپیہ کی سویٹریں ماری ماری پھرتی ہیں۔ مگر اُس کے لئے روپیہ کہاں سے آتا۔ ایک سٹ کے لئے دس روپیہ

بڑی جلدی روپیہ نکل آیا - اور چاء کا سٹ خرید لائے - اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک چاء کا سٹ عمر بھر ساتھ دے گا - اور یہی سٹ ایک پوری عمر تیر کرے گا - دیکھ لینا جہاں کریم نے ایک دن ہاتھ لگایا بس معلوم ہوگا - کہ جیسے یہ سٹ خریدا ہی نہیں گیا تھا - بس پھر ایک دوسرا سٹ خرید کر لاؤ گے - اور پھر دس روپیہ برباد کر دو گے - بس اسی شوق میں مہینہ بھر کی پوری تنخواہ چاء کے سٹوں کی ندر ہو جایا کرے گی تمہیں دین ایمان کی قسم ہے - اب روز چاء کا سٹ ہی خریدا کرنا اور گھر کی کوئی ضرورت پوری نہ ہونے دینا - میرے بھی جو جی میں آئیگا - فوراً منگا لیا کروں گی - میں ہی کہاں تک اپنا جی مارا کروں گی جب گھر میں ایک آدمی اس طرح فضول خرچی پر آمادہ ہے - تو اس گھر کا خدا ہی مالک ہے - اب تو مجھے یہ ڈر معلوم ہوتا ہے - کہ اگر میں کوئی چیز منگانے کے لئے کچھ دوں - تو تم اُس کا بھی چاء کا سٹ خرید لاؤ گے اور میں یونہی ہلکان ہوتی رہوں گی - تم کو کیا - تم جب بازار جاؤ گے ایک چاء کا سٹ خرید لاؤ گے - میں کہتی ہوں - کہ اگر کچھ گھر گرہستی سے بچ رہے گا - تو ایک اکیلے میرے ہی کام آئے گا - اور تم سے کوئی سروکار نہ ہوگا - حالانکہ تم ہی یہ بھی کہا کرتے ہو - کہ احتیاط سے خرچ کرنا چاہئے اور تمہیں جا کر دس دس روپیہ کا چار کا سٹ خرید لاتے ہو - اب

بتاؤ۔ میں اپنا منہ پیٹوں۔ یا کیا کروں۔ میری تو سیٹی گم ہو جاتی ہے۔ جب دیکھتی ہوں۔ ہر مہینہ خرچ کم ہو جاتا ہے۔ تو میں کیا کروں۔ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ آخر کس طرح خرچ پورا کروں۔ سوچا تھا۔ کہ اب کی مرتبہ کچھ روپیہ بچالوں گی۔ لیکن بچانے کو کون کہے۔ پورا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اور تم ہو۔ کہ دس دس روپیہ کا چار کا سٹ خریدتے پھرتے ہو۔ پھر بھلا بچت کیا ہو۔ اور اس طرح کون بچا سکتا ہے۔ میں تو ایک ایک پیسہ بچاتی ہوں۔ تم مگر جو دس دس روپیہ خرچ کر آتے ہو یہی روپیہ آج پاس ہوتا۔ تو کوئی چیز خرید کر ڈال دیتی جو تمہارے بھی وقت بے وقت کام آتی۔ مگر تم کو کون سمجھا سکتا ہے۔ تم تو بے انکس کے ہاتھی بنے ہوئے ہو۔ جو جی میں آگیا وہ کر گزرے بو منا سب سمجھے خاک دھول اُٹھا لائے۔ اور پھر دو چار روپیہ کی بھی نہیں پورے پورے دس روپیہ کا ایک چاء کا سٹ خرید لائے۔ اگر تم کو ایسا ہی خرچ کرنا ہے۔ تو بس آج سے تم ہی گھر کا انتظام کرو۔ میرے امکان سے باہر ہے۔ چاہے دس روپیہ کا چاء کا سٹ خریدو۔ چاہے سو روپیہ کا اور چاہے پوری تنخواہ چاء کے سٹوں کی خریداری پر لگا دو۔ مجھ سے اب کچھ مطلب نہیں ہے۔

عید کے موقع پر

ہاں ہاں سنتی تو ہوں۔ کہ کل عید ہوگی۔ پھر کیا کروں۔ خالی خولی کہیں عید ہوتی ہے۔ عید کے لئے سروسامان چاہیئے۔ کپڑے لتے چاہئیں۔ خیر خیرات کو چاہیئے۔ عطر چاہیئے۔ تیل پھلیل چاہیئے۔ سویاں دودھ چاہیئے۔ برس برس کا تہوار ہے۔ خوشی و خرمی کا دن مگر تم کو کیا پروا۔ کیا فکر۔ بس زبان سے کہہ دیا۔ کہ کل عید ہوگی۔ عید کب ہوگی۔ نگوڑا بدن کے کپڑے تک تو ٹھیک نہیں ہیں۔ چلے ہیں عید کی خوشخبری سنانے عید تم کو ہوگی۔ تمہارے ہونتوں سوتوں کو ہوگی۔ مجھ کو کیا۔ جیسے آج ویسے کل۔ نگوڑ مارا تمہارے یہاں دوسری عید ہے۔ مگر کیا۔ کہ جیسے سب دن ویسے آج بھلا اس طرح کہیں عید ہوتی ہے؟ آج کتنے روز پہلے سے تم سے کہہ رہی ہوں۔ کہ کل کو عید کا تہوار آنے والا ہے۔ اور نہ سہی تو منّے کے لئے ایک جوڑا جوتا لا دو۔ کوئی ریشمی قمیص بنوا دو۔ کوئی اچھی سی کامدار ٹوپی خرید دو۔ مگر تم کو کہاں فرصت۔ تو بھلا

عید کیا ہوگی۔ یہ بھی تقدیر کی بات ہے۔ اپنے ماں باپ کے یہاں ہوتی
تو مجال تھی۔ کہ وہ ہمارے ارمان نہ نکالتے۔ آج اس معصوم کی پہلی عید
تھی۔ وہ بھی کیا یاد کریگا۔ کہ ابّا کے یہاں عید ہوئی۔ توبہ کرو۔ اب ایک
تم کو مذہب سے کوئی غرض واسطہ نہیں ہے۔ تو کیا سب تمہاری طرح ہو
جائیں۔ اور پھر مجھ سے کہتے ہو۔ کہ کل عید ہوگی۔ مجھ کو چڑاتے ہو؟
کچھ مجھ کو باہر نکلنا ہے یا دوگانہ پڑھنے جانا ہے۔ ہاں ہمارا منّا البتہ سب
کا منہ دیکھ کر رہ جائیگا۔ اچھا چلو سویاں لادوگے بس نا۔ تو کیا خالی
سویوں سے عید ہو جائیگی اور بس سویوں ہی میں عید کی خوشی ہے۔
میں تو کہتی ہوں۔ یہ بھی کاہے کو لاؤ گے۔ رہنے دو۔ فضول خرچی ہوگی
تم اپنا کسی کے یہاں جاؤ گے۔ کھاپی لینا۔ میں موئی کلھڑے میں ہوں۔
مگر نہیں تم کو اپنے یار احباب کو بھی سویاں کھلانا ہونگی۔ اسی سے تو کہتے
ہو۔ کہ سویاں لادوں۔ تو ذرا کان کھول کر سن رکھو۔ کہ یہ گھر ہے۔ ماشاءاللہ
دو چار آدمی ہیں۔ کوئی ہوٹل یا سرا تو ہے نہیں۔ کہ سیر آدھ سیر سویوں میں
کام چل جائیگا۔ اور دام بھی کھرے ہو جائیں گے۔ اگر دس بارہ دوست
تمہارے زہر مار کریں گے۔ تو یہاں بھی پچاس بھوت اور موجود ہیں۔
نائی۔ دھوبی۔ بہشتی۔ مہتر۔ چوکیدار سبھی کو تو دینا پڑے گا۔ تم سمجھتے
ہو۔ کہ یونہی عید ہو جائیگی کہیں ایسی بھی عید ہوتی ہے۔ اپنے منہ کے

سواد کے لیے جو چاہے کرو۔ لیکن میرے گھر میں پھر سویاں نہ لانا۔ اس سے اچھا ہے۔ کہ کہیں اور انتظام کرو۔ چلے وہاں سے کہنے۔ کہ سیر بھر سویاں لا دوں ؟۔ مجھ کو تمہاری سویوں کی ضرورت نہیں ہے۔ دس گھر پاس پڑوس کے ہیں۔ سب ہی کے یہاں آمد و رفت ہے۔ کھانا۔ پینا لینا۔ دینا۔ آنا جانا روز ہی لگا رہتا ہے۔ بھلا یہ محلے والے کیا کہیں گے کہ کیسے منحوس لوگ محلہ میں بستے ہیں۔ کہ جو عید کے دن ایک پیالہ سویاں بھی نہیں بھیج سکتے ہیں۔ جو لینا دینا ہے۔ وہ اس کی قدر بھی جانتا پہچانتا ہے۔ تم کو کیا۔ تم تو مزے سے سوٹ ڈالے پھرتے ہو۔ تم کیا جانو۔ کہ عید کسے کہتے ہیں اور بقر عید کیا ہے۔ غضب خدا کا۔ پورا رمضان گزر گیا اور تم کو ہوش نہ آیا۔ اور آیا بھی تو کب۔ کہ جب کل عید۔ تو پھر بھلا اس طرح کیا عید ہوگی۔ کوئی بڑا بوڑھا اس جگہ موجود ہوتا۔ تو تم کو بتاتا اور پھر اگر کبھی تم کو ان چیزوں سے سابقہ ہوتا تو جانتے۔ کہ عید کسے کہتے ہیں۔ اور عید کیسے ہوتی ہے۔ موئی شبراتن آج دس روز سے تقاضے کر رہی ہے۔ کہ بی بی عید آرہی ہے۔ اپنے منّے کا کوئی پرانا دھرانا گلے کا اتارن میرے بچہ کو بھی دے دو۔ اور میری تنخواہ سے دو ایک روپیہ پیشگی دے دو۔ مگر میں کیا کروں۔ میری تو جان غضب میں ہے۔ بھلا اس طرح کہیں عید ہوتی ہے۔ وہ بھی بال بچہ دار آدمی

ہے۔ اس کو بھی کچھ نہ کچھ دینا ہے۔ گو ہم لاکھ بوڑھا سہی۔ اپاہج سہی تو کیا ہوا عید تو سبھی کے لئے خوشی کا دن ہوتا ہے۔ کیا تمہاری طرح لوگ کرتے ہیں۔ کہ عین موقع پر بڑا انتظام یاد آیا۔ اور بہت سامان کی خریداری بتائی تو سیر بھر سویوں کا لانا۔ آگ لگے ان سویوں میں۔ اور پھر کل جب عید ہوگی۔ اچھا میں کہتی ہوں۔ کہ یہ بھی سہی۔ تو اب تمہیں دیکھو۔ کہ آخر وہ سویاں بھونی کب جائیں گی۔ تم جو شام دشام سویاں خرید کر لادو گے تو کیا عید ہو جائیگی۔ اور پھر اکیلے سویاں کھا کر عید کی خوشی مل جائیگی۔ ایسا ہی ہے۔ تو پھر روز انسان پاؤ بھر سویاں پکائے اور عید منالے تم مذاق اڑاتے ہو۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ سمجھے ہو۔ کہ بس عید کے دن سویاں خالی پھانک لی جائیں گی۔ دودھ۔ شکر۔ میوہ کا کہیں ذکر تک نہیں۔ آج میں ایسی سویاں پکاؤں۔ یوں تو بغیر سویوں کے بھی عید ہو جائے گی۔ لیکن اگر تم سویاں لائے بھی تو کیا۔ کل عید کا دن ہوگا۔ لوگ دوگانہ پڑھ کر واپس آئیں گے۔ تو عید ملنے آئیں گے۔ آخر کچھ ان کی بھی خاطر تواضع کا سامان چاہیئے۔ کہ نہیں۔ دیکھتے ہو کمرے کا فرش کتنا میلا ہو رہا ہے۔ سفید سفید چاندنی پیریاں کی تھوک پڑتی ہوئی ہے۔ لوگ اچھے اچھے اجلے کپڑے پہن کر آئیں گے۔ تو کیا اسی پر بٹھاؤ گے۔ وہ بھی کہیں گے۔ کہ کیسے بدتمیز کے یہاں عید ملنے آئے۔ آخر شرم و غیرت

بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شرما حضوری میں بھی ایک ایک چمچ سویوں کا ایک ایک پان الائچی دوگے۔ تو کم از کم سو آدمیوں کے لئے کتھا ڈلی پان الائچی۔ تمباکو بھی منگانا پڑے گی۔ دو ایک تولہ عطر ہونا چاہئے۔ کیا یونہی عید ہو جاتی ہے۔ تم اپنے یار دوستوں کے گلے میں باہیں ڈال کر چکنے چپڑے ہو کر چلے جانا۔ بس چلئے عید ہو گئی۔ مَیں کپڑے بدلوں یا نہ بدلوں۔ تمہاری جوتیوں سے تمہاری بلا سے۔ اگر بچہ عیدگاہ تک نہ جا سکے نہ سہی۔ تم تو اپنی سرگشتی کر ہی آؤ گے۔ پورا مہینہ برکت کا گزر گیا۔ دو چار دس کو کون کہے۔ ایک روزہ بھی بھول کر نہ رکھا۔ اب آج عید منانے آئے ہیں۔ تھو تھو کہیں اس طرح عید ہوتی ہے۔ کہ بس منہ سے کہہ دیا۔ کل عید ہو گی۔ نائی آئے گا۔ آئینہ دکھائے۔ اور نہ ہو۔ تو دو روپیہ تو اس کو انعام دیا جائے مہترانی آئے گی۔ وہ انعام مانگے گی۔ دھوبی آئے گا۔ وہ انعام مانگے گا۔ برس برس کا دن ہے منے میاں کی کھلائی کو بھی ایک جوڑا کپڑا اور کچھ نقد دینا ہے۔ دروازے پر سینکڑوں فقیر پھیری لگانے آئیں گے۔ تو کیا ان سب کو یونہی واپس کر دیا جائیگا۔ ان میں دس بیس تو خیرات کے مستحق بھی ہونگے۔ میری غیرت تو یہ کبھی گوارا نہیں کرے گی۔ اور نہ مجھ سے یہ ہو سکتا ہے۔ اور پھر اگر کبھی یہ سب باتیں نہ دیکھی ہوں۔ تو وہ بھی سہی۔ کہ لائیں میر

بھر سویاں منگا کر انہیں پیٹ میں بھر لوں۔ بس عید ہو گئی۔ بات پہ بات یاد آتی ہے۔ کوئی ایک بات ہو۔ تو کہی جائے۔ ہزاروں جھگڑے ہزاروں بکھیڑے کئے جاتے ہیں۔ تب جا کر کہیں عید ہوتی ہے۔ پہلے پہل منے میاں عیدگاہ جائیں گے۔ کیا میں ان کو خالی خولی بھیج دونگی اور نہ ہو۔ دو چار روپیہ کا غلہ۔ ایک روپیہ کی کوڑیاں لٹانے کو ہونی چاہئیں۔ اور نہیں کیا یونہی ہاتھ جھلاتے چلے گئے اور ہاتھ جھلاتے چلے آئے۔ ہو گی عید جس کو ہو گی۔ افوہ میں کہتی ہوں۔ اللہ تمہاری طرح کسی کو نہ بنائے۔ سارے محلہ میں آج دو روز سے تیاریاں ہو رہی ہیں۔ مہینوں پہلے لوگ گھروں میں کپڑے لتے سلا رہے ہیں۔ تھانوں پہ تھان گھروں میں چلے آ رہے ہیں۔ لوگ اپنے بال بچوں کے ساتھ خرید و فروخت کر رہے ہیں۔ کوئی کوئی چیز خریدتا ہے۔ کوئی جوتہ دیکھتا ہے۔ کوئی کنٹوپ پسند کرتا ہے۔ کوئی بنیانیں مانگ رہا ہے۔ لیکن ایک تم ہو۔ کہ کوئی حوصلہ نہیں۔ صبح کے گئے گئے دس بجے رات کو گھر آئے۔ نہ روزے سے مطلب نہ نماز سے تم کو کیا خبر کہ عید کس کو کہتے ہیں۔ تم کیا جانو کہ عید کب آتی ہے۔ اور کس طرح عید ہوتی ہے۔ اور یہ سب تو جانے دو۔ کہ اس کا سوال ہی کیا۔ کہ نئے کپڑے نہیں بنے۔ پرانے کپڑے تک تو ٹھیک نہیں

ہیں منو کے چار جوڑے جوتے بغیر پالش خراب ہو رہے ہیں۔ نہ نیا جوتا لائے نہ ایک شیشی پالش کی لائے۔ کہ انہیں کو صاف کر لیتی جب عید بقر عید بھی بنا کپڑا اپنا جوتہ نہ میسر آئے تو اور کب ملے گا۔ اور پھر اگر ملا بھی تو کس کام کا۔ آج کے دن تو امیر و غریب سبھی نئی پوشاکیں بدلتے ہیں۔ گھروں میں بیویاں نئے نئے زیور نئے نئے کپڑے پہن کر سج رہی ہونگی۔ ایک میں بدنصیب ایسی ہوں۔ کہ ننگی بوچی بنی بیٹھی ہوں۔ نہ نیا زیور ہوتا۔ نہ سہی۔ یہ پرانے ہی زیور کسی سونار سے صاف کرا دیتے پھر کس برتے پر کہتے ہو۔ کل عید ہوگی۔ ایک ساڑھی کامدانی والے کے یہاں پندرہ روز سے پڑی ہے۔ تم سے یہ بھی نہ ہو سکا۔ کہ اس کو لا دیتے اچھی بری جو کچھ تھی۔ خیر اسی کو پہن لیتی۔ عید میں نئے کپڑے پہننا خوشبو ملنا ثواب ہوتا ہے۔ مگر یہاں کیا میسر کہ ثواب کمانے موقع ملے۔ اور پھر کہتے ہو۔ کہ عید ہوگی۔ بھاڑ میں جائیں لیونڈر کی شیشیاں۔ مجھے تو اُن کے نام سے نفرت ہوتی ہے میں خدانخواستہ ان کو کیوں لگانے لگی۔ بس تمہیں کو یہ مبارک رہیں۔ مجھے خیر اپنی تو کوئی فکر نہیں ہے۔ بیسیوں مرتبہ عید کی خوشیاں منا چکی ہوں اللہ میرے ماں باپ کو رہتی دنیا تک زندہ رکھے میرے سب ارمان نکل چکے ہیں نہ مجھ کو نئے کپڑوں کی ضرورت ہے نہ مجھ کو نئے زیور کی

حاجت ہے نہ روپیہ پیسہ کی۔ بس جی کڑھتا ہے۔ تو اس سے کہ اللہ کا دیا ایک چھیڑا ننھا منّا ملا تھا۔ اس کی آج پہلی عید تھی۔ اور میں کیلئے بھی کچھ نہیں کر سکتی ہوں۔ سچ مچ اگر مجھے یونہی کڑھاؤگے۔ تو میں آج ہی سیدھی نان دوں گی۔ اور صبح کو عید وہیں کر کے دم لوں گی۔ مجھ سے تو یہ نہیں ہوگا۔ کہ محلہ کے تمام لڑکے رنگ برنگ کے کپڑے پہنے ہوئے عیدگاہ جاتے ہونگے۔ اور میرا بچہ سب کا منہ دیکھ کر رہ جائیگا۔ کس کام کی ایسی عید کہ میں اپنے بکس سے جھلا جھل جوڑا نکال کر پہنوں۔ اور معصوم بچے کو دھلے ہوئے کپڑے پہناؤں۔ عید تو بچوں ہی کی ہوتی ہے۔ انہیں کی خوشی سے گھر بھر کی خوشی ہوتی ہے۔ جب وہ خوش نہ ہوئے تو ہمارے پہننے اوڑھنے سے کیا فائدہ۔ مانا کہ ننھے کے پاس کئی نکر اور کوٹ ہیں ہیٹ ہے۔ مگر کیا عید کے دن بھی وہی پہنے۔ نئی شیروانی ہوتی۔ عمدہ ٹوپی۔ پاجامہ ہوتا۔ کون ساٹھ پچاس روپیہ اس کے کپڑوں کی تیاری میں صرف ہو جاتے۔ ابھی میں پچھلی عید دیکھ چکی ہوں۔ خالہ بی کے نواسے کیلئے ایک جوڑا کپڑا سات روپیہ میں ایسا تیار ہوا۔ کہ دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ کیا چھین ٹکے لگے تھے۔ کل سلائی وغیرہ ملا کر پندرہ روپیہ۔ اللہ رکھے پندرہ روپیہ کہاں آتا ہے۔ کہاں جاتا ہے روپیہ ہاتھ کا میل۔ جان کا صدقہ مال۔ تو پھر بھلا عید کیا ہوگی۔ اس

دن آدمی خدا جانے کیا خرچ کر ڈالتا ہے۔ اور پھر سبھی کے بچے ہوتے ہیں۔ غضب خدا کا آج چاند رات ہوگی۔ اور تم کو خبر نہیں۔ کہ ایک پیسہ کا تو کوئی نیا سامان عید کے لئے لاتے۔ پھر کہتے ہو۔ کل عید ہوگی۔ تم جانا عیدگاہ اور منانا عید کی خوشی، اور سنو۔ کل اپنا تہیں اور انتظام بھی کر لینا۔ یہ نہ ہوگا۔ کہ تمہارے لئے دنیا بھر کا جوتا ہی نہیں پاپڑ بیلوں گی۔ تمہارے ملنے جلنے والوں کی صبح ہی سے رسد لگ جائیگی تم گویا ان کو نماز روزے سے کوئی کام نہیں ہے۔ تماشا دیکھنے عیدگاہ چلے جاؤ گے۔ تو سن رکھو۔ مجھے ان جھگڑوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اپنی ایسی تیسی میں جائے۔ جب میرے بچے کے کپڑے جوتے نہ آئے۔ تو پھر کسی کی عید نہ ہوگی دیکھوں کیسے عید کرتے ہو۔

سویرے سو کر نہ اٹھنے پر

اللہ تمہاری اس کاہلی کو دور کرے۔ اور تم سے اس منحوس عادت کو چھڑائے میری جان تو غضب میں پڑ گئی ہے۔ اف وہ جب تم اتنے دیر تک بستر پر پڑے رہو گے۔ تو بھلا دنیا کے اور کام کیسے پورے ہونگے۔ بڑے بوڑھوں کی کہاوت کہ صبح سویرے روزی تقسیم ہوتی ہے۔ اور جو سویا کھویا مثل مشہور ہے۔ مگر تم ان باتوں کو کیا جانو۔ تمہارے دماغ میں تو صاحبیت گھس گئی ہے۔ اگر صبح سویرے اُٹھ بیٹھو۔ تو پھر صاحبیت کیوں باقی رہے۔ فیشن کے خلاف ہو جائے غضب خدا کا نو بجنے چاہتے ہیں۔ اور تم بستر پر انگڑائیاں لے رہے ہو۔ کیا بد نصیبی کے دم پوچھ ہوتی ہے۔ اسی کو کمبختی کہتے ہیں۔ اور یہی اسکی نشانی ہے۔ مگر تم کیا کرو۔ اور کوئی کیا کرے۔ جب رات رات بھر سیر سپاٹے میں کاٹو گے۔ تو آپ ہی نو بجے دن کو آنکھ کھلے گی۔ اس میں کسی کا کیا قصور۔ شام ہوئی۔ کہ دروازہ پر لقے جمع ہونے لگے۔

بس پھر کیا ہے۔ جیسے خدائی مل گئی۔ ٹھاٹھ باٹھ بنا اور چل دیئے مارے مارے پھرے اور صبح ہوتے ہوتے ہوئے سراء کے مسافر کی طرح گھر میں داخل ہوئے اور آتے ہی چارپائی پر گر پڑے۔ بیماروں کی طرح صبح نو بجے تک سوتے رہے۔ نہ نماز سے مطلب نہ روزہ سے۔ افوہ میں کہتی ہوں تم سے تو یہ جانور ہی اچھے ہیں۔ درختوں کی چڑیاں بھلی ہیں۔ کہ صبح ہوتے ہی گھونسلوں سے نکل پڑیں۔ اور تم آدمی ہو کر جانوروں سے بدتر ہو گئے ہو۔ یہ کوئی ایک دن کی بات ہے۔ اگر کوئی ایک دن کی بات ہو۔ تو آدمی درگزر کرے۔ مگر یہیں تو تمہارا یہ طریقہ ہمیشہ سے دیکھتی چلی آتی ہوں۔ جو گھر کے بہت بڑے رئیس ہوتے ہیں۔ وہ بھی صبح شاید اُٹھ بیٹھتے ہونگے۔ لیکن تمہیں ایک دن بھی سویرے اُٹھنا نصیب نہ ہوا۔ موئی چاء رکھے رکھے ٹھنڈی ہو جاتی ہے اور پھینک دی جاتی ہے۔ بھلا کوئی کب تک انتظار کرے۔ اور چاء کیوں نہ ٹھنڈی ہو جائے۔ تم سویرے سو کر نہ اُٹھو گے۔ تو کیا چاء دھری رہے گی۔ ہم نے جب یہ دیکھ لیا۔ کہ اب یہ تمہاری عادت ہو گئی ہے۔ تو ہم نے بھی چاء بنانا چھوڑ دیا۔ ناشتہ کیا خاک رکھا ہے۔ تم تو پڑے نو بجے تک سویا کرتے ہو۔ بھلا ناشتہ کس کے لئے تیار کیا جائے اور کون اپنی جان مصیبت میں ڈالے۔ اب سوؤ اور جی بھر کر سوؤ

مجھے کیا کرنا ہے۔ تمہیں روز کہا کرتے ہو۔ کہ دفتر میں دیر ہو جاتی ہے دیر نہ ہو۔ تو کیا ہو۔ جب نو بجے تک سویا کرو گے۔ تو آپ ہی دیر ہو جائیگی۔ اور جب دفتر دیر سے پہنچو گے۔ تو۔ حاکم لا محالہ خفا ہوگا بگڑے گا۔ اور جرمانہ کرے گا۔ نوکری کوئی خالہ جی کا گھر ہے۔ حاکم کیا کوئی تمہارا عزیز ہے۔ کہ دفتر دیر میں پہنچنے پر چپ ہو جائے۔ جو تنخواہ دے گا۔ وہ پورا کام لے گا۔ جب تم نو بجے سو کر اُٹھو گے پاخانہ پیشاب سے فراغت کرو گے۔ نہاؤ گے۔ منہ ہاتھ دھوؤ گے کھانا کھاؤ گے۔ کپڑا پہنو گے تو ضرور گیارہ بجیں گے۔ اور پھر دفتر میں بھی دیر ہوگی۔ پھر کیسے کوئی خوش رہے گا۔ تنخواہ کام ہی کے لئے ملتی ہے۔ کوئی منہ دیکھنے کے لئے نہیں ملتی ہے۔ اور جب اور لوگ دفتر میں دس بجے آئیں گے۔ تو کیا تمہارے سرخاب کا پَر لگا ہے۔ جیسے اور نوکر ہیں۔ ویسے ہی تم بھی نوکر ہو۔ تمہاری اس منحوس عادت نے تو سارا کھیل بگاڑ دیا ہے۔ کام کرتے کرتے سل ہو گئے ہو۔ مگر تنخواہ میں ایک پیسہ کی ترقی نہیں ہوتی۔ اور کوئی کیوں ترقی دینے لگا۔ جب تم نو بجے سو کر اٹھو گے۔ اور گیارہ بجے دفتر پہنچو گے۔ تو اس کا آپ ہی یہ نتیجہ ہوگا۔ روزانہ میں دیکھتی ہوں۔ کہ دفتر سے دن میں دو دو مرتبہ چپڑاسی دوڑا ہوا آتا ہے۔ کہیں پانوں کی ڈبیہ بھول

گئے۔کہیں سگریٹ کا ڈبہ رہ گیا۔کہیں رومال چھوڑ گئے۔کبھی کوئی سرکاری کاغذ بھول گئے۔ یہ تو ہوتا ہی ہے۔جب سویرے سو کر نہ اُٹھو گے۔ آپ ہی سامان ٹھیک نہ کر سکو گے۔ اور اس کا خمیازہ مجھ کو اُٹھانا پڑتا ہے۔ میرا تو ناک میں دم آگیا ہے۔ زندگی اجیرن ہوگئی ہے اور تم ہو۔کہ پڑے سوتے رہتے ہو۔ اللہ رسول کا خیال اور نہ دفتر کا خیال نہ تندرستی کی پروا۔ڈاکٹر مکرجی نے تم سے سینکڑوں مرتبہ کہا۔کہ صبح سویرے اُٹھنا تندرستی کی علامت ہے۔ اور تندرستی کے لئے مفید ہوتا ہے۔ اور اگر صبح کی ٹھنڈی ہوا میں تھوڑی دُور چل پھر لیا کرو۔ تو یہ جو کھانسی کھر اکا رہتا ہے۔سب مٹ جائے۔مگر تم کو سونے سے کہاں فرصت ہے۔ جب دن چڑھے تک سوتے رہو گے۔تو ٹہلنے کیا جاؤ گے اور پھر تندرستی کیا ٹھیک رہے گی روز کہتے ہو۔کہ معدہ خراب ہوگیا ہے۔ پھر کوئی کیا کرے۔کیا کوئی تمہارا معدہ بن جائے۔جب کھانا بے وقت کھاؤ گے۔اور وہ ہضم نہ ہوگا۔تو آپ ہی اس کا اثر معدہ پر پڑے گا اور جب معدہ خراب ہوا۔ تو پوری تندرستی پر اس کا اثر پڑنا یقینی ہے۔ رات بھر جاگو گے اور دن بھر سوتے رہو گے۔تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا۔ صبح سے دس مرتبہ حجام آیا۔اور واپس گیا۔ وہ غریب کیا کرے۔کیا دیواروں

کی حجامت بناتا۔ تم تو نو بجے تک سوتے رہتے ہو۔ حجام بیچارہ مزدور پیشہ آخر کب تک انتظار کرتا۔ چیخ چلا کر چلا گیا۔ اس کو کیا خبر کہ یہاں ابھی سو کر نہیں اُٹھے ہیں۔ اور ابھی کیا ہے۔ اگر تم اسی طرح نو بجے تک سوتے رہو گے۔ تو خدا نے چاہا۔ تو تم کو کہیں نہ حجام ملے گا۔ وہ آخر اپنا نقصان کیوں کرے۔ کیا تم مزدوری میں اس کو سونے کے ٹکے دیدیتے ہو۔ جتنی دیر تک وہ تمہارا انتظار کرتا۔ اتنی دیر میں چار حجامتیں بنا سکتا ہے۔ تو پھر بھلا وہ دو پیسہ کی جگہ چار ٹکے کے لئے کیوں پریشان ہو۔ کیا تمہاری طرح وہ بھی نو بجے سو کر اُٹھتا ہے۔ ادھر صبح ہوئی۔ کہ دروازے پر تمہارے دشمنوں کا تانتا بندھ گیا۔ وہ بھی چیختے چیختے عاجز ہو جاتے ہیں۔ اور میں بھی سنتے سنتے پریشان ہو جاتی ہوں۔ کون ان کو جواب دے اور کون اُن کے ساتھ اپنا گلا پھاڑا کرے۔ موا کریم چار آنہ کی شکر لینے بازار گیا ہے۔ وہ وہیں جا کر مر گیا۔ شبراتن کو بھیجا تھا۔ کہ دیکھے اور بلا لائے۔ وہ ایک چپٹی ہوئی ہیں۔ کسی سے راستہ میں باتیں کرنے لگی ہونگی۔ اب دنیا بھر کی داستانیں ختم کئے بغیر وہاں سے کیوں ہٹنے لگیں۔ تم ہو۔ کہ نو بجے تک سوتے رہتے ہو۔ پھر کیا میں سب کو جواب دوں۔ میری جوتی جائے۔ مجھے کیا کرنا ہے۔ تم

کو اپنے دوستوں کا خیال ہو۔ تو سویرے سو کر اٹھو۔ ان کی خاطر مدارات کرو۔ یہاں کس کی جوتی کو غرض ہے۔ کہ جو اپنا دماغ کھپائے غسل کرو گے۔ ٹھنڈا پانی بھرا ہوا رکھا ہے۔ اب گرم پانی کہاں سے آئے کیا دن میں دس دس مرتبہ پانی گرم کیا جائے۔ ایک مرتبہ پانی گرم کر کے غسلخانہ میں رکھ دیا گیا۔ اور رکھے رکھے برف ہو گیا کیا کوئی آگ بن جائے۔ کہ جس وقت چاہے پانی گرم کر دے آخر میں بھی تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں۔ مجھے بھی صبح ہوتے ہی ہزاروں جنجال میں پھنسنا پڑتا ہے۔ تم کو کیا۔ تم تو نو بجے سو کر اُٹھتے ہو۔ تم کو دین و دنیا کی کیا خبر۔ بس جو کچھ مصیبت ہے میری جان پر ہے۔ کہاں سے میں اس عذاب میں مبتلا کر دی گئی۔ صبح ہی صبح تمہارے پاؤں دبائے تمہاری مکھیاں اڑائیں۔ تم تو خراٹے لے رہے تھے۔ مردوں سے شرط باندھ کر سوئے تھے اور اُٹھے بھی تو کب جب دفتر کا وقت آیا۔ بھلا وہ جو تمہارے لئے کھڑا رہتا تو وہاں صاحب کو کیا جواب دیتا۔ پھر میں کیا کروں۔ صاحب خفا ہوں یا ناخوش تم جانو جب نو بجے تک سوتے رہو گے تو اس کا کیا نتیجہ ہوگا۔ صاحب بھی سنیں گے تو یہی کہیں گے۔ کہ بڑا کاہل ہے۔ اور جب حاکم کے خیالات خراب ہو جائیں گے۔ تو

پھر ماتحت کب خوش رہ سکتا ہے۔ اسی جگہ ذرا پڑوس میں دیکھو۔ امتیاز قدر صبح پانچ بجے سویرے سو کر اٹھتا ہے۔ نماز پڑھتا ہے۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے۔ اور پھر اپنے گھر کا سودا سلف بھی خریدتا ہے۔ اپنے بچوں کو ٹہلاتا اور گھماتا بھی ہے۔ اور کیسا خوش وخرم ہے۔ تمہاری طرح نو بجے سو کر نہیں اٹھتا ہے۔ تم کو نہ اپنے سے مطلب اور نہ پرائے سے مطلب ذرا سا بچہ سسک سسک کر رہ جاتا ہے۔ کسی دن یہ نہ ہو سکا۔ کہ کوئی اس کو تازی ہوا کھلاتا۔ کون لے کر جائے۔ کریم کو بھیجدوں۔ تو باہر کا کام کون کرے۔ شبراتن سے کہوں۔ تو کھانا کون پکائے۔ تم سے کہنا بے سود ہے۔ کیونکہ تم خود ہی نو بجے سو کر اٹھتے ہو۔ تم بھلا بچے کو لے کر کیا جاؤ گے۔ سچ کہتی ہوں۔ کہ میری زندگی تو اجیرن ہو گئی ہے۔ جی چاہتا ہے۔ کہ کچھ کھا کر سو رہوں۔ تمہارا اس طرح نو بجے تک سونا نہ جانے کیا کیا مصیبتیں لائے گا۔ مگر تم کو کوئی فکر نہیں ہے۔ رات بھر گھومنا اور نو بجے تک سونا آپ کا مشغلہ ہو گیا ہے۔ آج کتنے روز سے یہ طے تھا۔ کہ تم کو اتوار کو نو بجے کی گاڑی سے ماموں جان کے لڑکے کے عقیقہ میں شریک ہونے کے لئے جانا ہے۔ مگر اب تم خود بتاؤ۔ یہ شکایت کا موقع ہے کہ نہیں۔ جب تم نو بجے

سوکر اُٹھے۔ تو بھلا گاڑی کہاں ملے گی۔ اور کیسے وقت پر آنے کے یہاں پہنچو گے۔ یہ انکے گھر کی پہلی تقریب ہے۔ انہوں نے نہ معلوم کتنے خط روانہ کئے۔ تم سے زبانی کہا۔ اور پھر تم نہ پہنچ سکے۔ جو وقت گاڑی کی روانگی کا۔ وہی وقت تمہارے سوکر اُٹھنے کا مجھے کیا کرنا ہے۔ یہی ہوگا۔ کہ اب تمہارے یہاں بھی کوئی تمہارا عزیز قریب نہ آئے گا۔ جب تم دوسروں کے یہاں شریک نہ ہوگے۔ تو دوسرا کیوں شریک ہونے لگا۔ جیسا کروگے ویسا پاؤگے۔ کوئی جگاتا تو کیسے جگاتا۔ ہزاروں مرتبہ ہلایا۔ چیخ چیخ کر تم کو جھنجھوڑا۔ مگر تم بھلا کب اُٹھتے۔ غضب خدا کا۔ تم سنتے تک نہیں میں کہتی ہوں۔ یہ تم کو سونے کی کوئی بیماری ہوگئی ہے۔ ورنہ اچھا بھلا انسان کہیں روزانہ اتنی دیر تک سوتا ہے۔ ضرور اس میں کوئی خلل ہے۔ اس کے کیا معنی ہیں۔ کہ چاہے آدمی کی جان جاتی رہے۔ کوئی گھر میں آگ لگا جائے۔ کوئی تنہا پاکر گلا گھونٹ جائے۔ اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔ نو بجے سے پہلے تک تو تم کروٹ بھی نہ لوگے سچ مچ تم کو اپنا علاج کرانا چاہئے۔ سنئے صاحب مجھ سے یہ ہنگامہ برداشت نہ ہوگا۔ اگر بڑی جلدی ہے۔ تو تم خود چاء بنا کر پی لو میں ایک مرتبہ انتظار کر چکی۔ اٹھوگے تو نو بجے اور ہتھیلی پر سرسوں جماؤگے۔ یہ مجھ سے نہ ہوگا۔ جب سویرے سوکر نہ اُٹھوگے۔ تو اپنا جہاں جی چاہے

چاء پی لو۔ یہ اتنے سینکڑوں دوست جن کے ساتھ روزانہ رات کو مارے مارے پھرتے ہو۔ اور جن کی بدولت صبح نو بجے سو کر اٹھتے ہو۔ انہیں میں سے کس کے یہاں جاکر چاء پی لو۔ ناشتہ کر لو۔ نوج خدا نہ کرے۔ کوئی ایسا آدمی ہو۔ اب بھلا یہ وقت تازہ کھانا کھانے کا ہے۔ یا چاء اور ناشتہ کرنے کا ہے۔ اب نو بجے تو سو کر اٹھے ہو۔ اور مانگتے ہو۔ چاء اور ناشتہ اب کہو تو کھانا تیار کیا جائے۔ اور کہو تو چاء اور ناشتہ۔ آخر میں بھی تو آدمی ہوں۔ کچھ امریکہ کی بنی ہوئی مشین نہیں ہوں۔ جی ہاں خوب سوچ سمجھ لیجئے کہاں تو یہ دعوی تھا۔ کہ میں بڑا پڑھا لکھا ہوں سب اچھی بری باتوں کا امتیاز کر سکتا ہوں۔ مگر اب وہ سارا علم کیا ہو گیا۔ آخر اب بولتے کیوں نہیں کیا یہی تعلیم دی گئی ہے۔ کہ صبح نو بجے سو کر اٹھا کرو۔ خدا جانے تمہیں کس مولوی نے پڑھایا تھا۔ اور کس نے تعلیم دی تھی۔ یہ بھی میرے نصیب میں لکھا تھا۔ کہ ایسے آدمی کے پالے پڑونگی کہ جو صبح نو بجے سو کر اٹھا کرے اور اس کو بڑی اچھی عادت سمجھتا ہو۔ نیکی اترے تمہاری تعلیم پر اور اللہ رحم کرے تمہاری عقل پر۔ توبہ توبہ کس جنجال میں گرفتار ہو گئی ہوں اب کوئی کہاں تک دیکھتا ہے کہ آپ کا موزہ کیا ہوا۔ ٹوپی کہاں پڑی ہوئی ہے۔ جوتہ کہاں رکھا

ہے ۔ یہ کوئی ایک منٹ کی بات ہے ۔ یا منہ کا نوالہ ۔ تم تو نو بجے سو کر اُٹھتے ہو ۔ اور دوسروں کی جان پہ عذاب نازل کرتے ہو ۔ بھلا میں پوچھتی ہوں ۔ کہ کیا دنیا میں سب اسی طرح کے مرد ہوتے ہیں ۔ جیسے تم ہو ۔ کہ جسے اپنی کسی چیز کا پتہ تک نہیں ہے ۔ اور پتہ بھی کیسے ہو ۔ نو بجے تو سو کر اُٹھتے ہو ۔ اب جلدی جلدی میں ہر چیز کا تلاش کرنا کوئی آسان کام تو نہیں ہے ۔ دفتر جاتے ہو ۔ تو جاؤ ۔ میں کیسے کھانا بن جاؤں ۔ تم نو بجے سو کر اُٹھتے ہو ۔ تو تمہارے نوکر چاکر بھی وہی رنگ اختیار کر رہے ہیں ۔ میاں نے چولا بدلا تو نوکروں نے بھی پرانی کینچلی اتار پھینکی ۔ کوئی کمبخت آٹھ بجے سے پہلے سو کر نہیں اُٹھتا ہے ۔ پھر اتنی جلدی میں کھانا کیسے تیار ہو سکتا ہے ۔ کل دو گھنٹے میں اتنے سب کام اور دو نوکر اگر دو چار نوکر اور رکھ لو ۔ تو شاید ممکن ہو سکے ۔ ورنہ ہم سے نہیں ہو سکتا ہے ۔ دنیا میں ہر کام کا وقت ہوتا ہے مگر تمہارے کام کا کوئی وقت نہیں ہے ۔ اب یہی دیکھو نا ۔ کہ اُٹھے تو ہو نو بجے سو کر اور چاہتے ہو دفتر جانے کے لئے سارا کام ہو جائے ۔ بھلا کیسے ممکن ہے ۔ مجھے تو اندیشہ ہے ۔ کہ اس تمہارے سونے میں تمہاری ملازمت نہ جاتی رہے ۔ خدا کے لئے نو بجے سو کر

اُٹھنا چھوڑ و۔ ورنہ ملازمت سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔ اور میں کون نصیحت کرنے والی ہوں بہت اچھا اب نو بجے کے بجائے میری طرف سے دو گھنٹے اور اضافہ کرلو اب آیندہ سے میں نہ کہوں گی۔ چاہے نو بجے سوکر اُٹھو۔ اور چاہے بارہ بجے سوکر اُٹھو تمہیں اختیار ہے۔

تفریح کرنے پر

گھر تو تمہارے لئے سرائے اور ہوٹل سے بھی گیا گزرا ہو گیا ہے۔ رات بھر تم سیر اور تفریح میں کاٹتے ہو۔ اور مَیں بیٹھی آنکھیں پھوڑا کرتی ہوں۔ غضب خدا کا رات کے دو بجے آتے ہیں۔ اتنا بڑا گھر سائیں سائیں کر رہا ہے۔ محلہ میں ہر طرف کتے بھونکتے پھرتے ہیں۔ آسمان پہ کالے کالے بادل چھائے ہوئے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے۔ اور مَیں تنہا تمہارے انتظار میں دروازہ سے ٹکٹکی لگائے بیٹھی رہتی ہوں۔ آپ آج آتے ہیں۔ نہ کل رات بھر دروازہ اس انتظار میں کھلا رہتا ہے۔ کہ کہیں آپ آتے ہونگے بند کرتی ہوں۔ تو نہیں بنتا ہے۔ اور نہیں بند کرتی ہوں تو نہیں بنتا ہے۔ ایک موئی کریما ہے۔ وہ بندی شام سے تان کر سوتی ہے۔ تو صبح ہی کو کروٹ لیتی ہے۔ اور پھر اس کی بلا کو کیا غرض کہ میرے ساتھ وہ بھی اپنی نیند حرام کرے۔ آپ کا تو روزانہ کا یہی دستور ہو گیا ہے۔

اپنے دوستوں کے ساتھ سیر سپاٹا کرتے پھرتے ہیں۔ اور میں جان کھوتی رہتی ہوں۔ بھلا تم نے کبھی سوچا۔ کہ اس اندھیرے اُجالے میں اگر کوئی مکان میں گھس آئے۔ تو پھر کیا ہو۔ ایک اکیلی میں ہوں عورت ذات۔ ایک چھوٹا سا بچہ۔ میرے لئے تو ایک ہی آدمی کافی ہے۔ جب چاہے میرا گلا گھونٹ دے۔ اور پھر آسانی سے پورا گھر کا سامان سمیٹ لے جائے۔ ارے چلو ہٹو۔ جھوٹی قسمیں کھانے سے کیا فائدہ۔ کیا میں جانتی نہیں ہوں۔ کہ تم کہاں روز جاتے ہو۔ اور میں منع کب کرتی ہوں۔ ارے میں تو کہتی ہوں۔ کہ تم ہر وقت وہیں رہا کرو۔ لیکن خدا کے لئے اس کنج قفس سے میرا پیچھا چھوڑا دو۔ مجھے میرے ماں باپ کے گھر پہنچا دو۔ اور تم پھر آزادی سے رنگ رلیاں مچاؤ۔ جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ تمہارے واسطے ذرا نہ کہیں نہ کہیں کسی دوست کے گھر محفل شادی رچی رہتی ہے۔ تو پھر اب تم یہ کیا کرو۔ کہ دوسروں کی شادی بیاہ کا ٹھیکہ لے لو۔ مجھے میرے گھر رخصت کردو۔ دوستوں کی شادی بیاہ ایسی ہی ہوتی ہے۔ کہ نہ تم کو اس وقت میرا خیال رہتا ہے۔ اور نہ پھر اس چھوٹے سے بچے کا خیال آتا ہے۔ کہ گھر میں اکیلے ہونگے۔ اور کیسے ہونگے۔ بات میں بات نکل آتی ہے ابھی کل کی بات ہے۔ کہ ماموں جان کے لڑکے کا عقیقہ تھا۔ ایک ماہ سے

انہوں نے سارے گھر کو نیوت رکھا تھا۔ گھر سے چار ہی قدم پر مکان ہے دن میں دس مرتبہ گھر سے نکلتے بیٹھتے آدمی آجا سکتا تھا۔ لیکن نہ تم خود گئے اور نہ مجھے آجانے دیا۔ آپ کو دفتر سے رخصت نہ ملی۔ رات کو اس وجہ سے نہ گئے۔ کہ سناٹا ہے۔ مجھے اس لئے جانے نہ دیا۔ کہ مکان خالی رہے گا۔ گویا میں مکان میں ایک چوکیدار ہوں۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ کہ ان کا کچھ بگڑ گیا۔ مگر ہاں عمر بھر کہنے کو ہو گیا۔ عزیزداری اس طرح قائم نہیں رہتی ہے جب تم اپنے عزیزوں کے یہاں کسی تقریب میں جاؤ گے تو تمہارے یہاں کون جھانکنے آئیگا۔ کیا کوئی تمہارا بسا اٹکا ہے۔ میں شکایت کیوں کرنے لگی۔ وہ تو میرے چچا ہیں تمہارے کون ہیں۔ جو تم سے شکایت کرتے۔ خیر تمہارا جو جی چاہے کرو۔ مگر ایک بات میں بھی کہے دیتی ہوں۔ کہ اب میں زیادہ برداشت نہیں کر سکتی ہوں۔ ایک دن کا ہو تو آدمی برداشت کرلے۔ ہر روز یہ باتیں کیسے برداشت ہوں تم اپنی ہوتی سوتی کے یہاں رہو۔ میں کون ہوں جو تمہیں میری خبر کی ضرورت ہو۔ اس تنہائی میں تو میرا دم گھٹ جائیگا۔ آدمی ایسا بے انکس کا ہاتھی نہیں ہو جاتا۔ آج تمہارے کسی دوست کی شادی ہے۔ کل تمہارا کوئی نیا دوست کہیں سے آگیا۔ اس کو شہر کی سیر کرانے چلے گئے۔ رات ہوئی سینما چلے گئے کہیں کبھی دفتر کی کوئی ضرورت پیش آگئی۔ وہاں بھی آپ کو پوری رات گزارنا ضروری ہوتا ہے۔ جاؤ

بس میں ایک رہ گئی۔ چاہے سوؤں اور چاہے جاگوں کبھی اُٹھ کر دروازہ دیکھتی ہوں۔ کہ کوئی گھس تو نہیں آیا۔ کبھی ہوا سے کچھ کھٹ کھٹ ہوا اور یہ خیال گزرا۔ کہ کہیں تم تو نہیں آگئے۔ چلو بس ساری رات میری اس طرح گزر جاتی ہے۔ قسمت کی بات ہے۔ ابا اماں نے بیکر کنویں میں جھونک دیا انہیں کیا خبر تھی۔ کہ ان کی چہیتی بیٹی پر اس قدر مصیبتیں ہوتی ہونگی۔ جو اتنے ناز و نعم سے پلی بڑھی۔ آج وہ تنہائی میں گھٹ رہی ہے۔ تم کیا جانو۔ کہ مجھ پر کیا گزرتی ہے۔ اگر کسی روز تمہیں بھی اسی طرح تنہائی میں رہنا پڑے تو تمہیں قدرِ عافیت معلوم ہو۔ ابھی پرسوں ایک بجے رات کو جب تم یہ کہہ کر گئے تھے۔ کہ میں ابھی آتا ہوں۔ آدمی بشر ہوں۔ کہاں تک جاگتی اتفاق کی بات آنکھ لگ گئی اور سو گئی۔ ابھی آنکھ جھپکی ہی تھی۔ کہ محلہ میں شور و غل ہونے لگا کریما کمبخت کو ہزاروں آوازیں دیں۔ مگر وہ بندی تو گھوڑے بیچکر سوتی ہے۔ بھلا کاہے کو اُٹھنے لگی۔ میں نے جلدی سے ننھے کو اُٹھا لیا۔ اور ورود شریف پڑھ پڑھ کر دم کرنے لگی اس شور و غل میں دو تین بندوقوں کے فائر بھی ہوئے اور میرا کلیجہ بانسوں . . . اچھلنے لگا۔ کسی نہ کسی طرح ننھے کو لئے کنڈی بند کرنے گئی۔ تو ایک آدمی دروازہ کے قریب سے ڈاکو ڈاکو کا شور کرتے ہوئے بھاگا وہ تو میں نے بڑی ہمت سے کام لیا۔ ورنہ میرا تو وہیں کام تمام

ہو جاتا۔ بعد کو معلوم ہوا۔ کہ پڑوس میں جو مارواڑی رہتے ہیں۔ ان کے یہاں کل رات کو ڈکیتی ہوئی ڈاکوؤں نے بندوق چلائی۔ اور دو آدمی گولی سے زخمی ہوئے ایک آدمی ہلاک ہوگیا۔ اور پھر صبح تک غل غپاڑہ مچتا رہا پولیس آئی اور خدا جانے کیا کیا ہوا میں تنہا مکان میں۔ تم ابھی کے آتے صبح کو ساڑھے نو بجے آئے۔ اور پھر آتے ہی اپنی پلنگ پر گر پڑے ساڑھے نو بجے دفتر کے وقت سو کر اُٹھے۔ کھایا پیا۔ اور دفتر روانہ ہو گئے۔ پھر شام کو دفتر ہی سے چپڑاسی کے ذریعہ تم نے کہلا دیا۔ کہ آج مجھے کام ہے دیر میں آؤنگا۔ اب تمہیں بتاؤ۔ کہ اور بھی اس طرح گزر کرسکتا تھا۔ کوئی اور ہوتی۔ تو دوسرے ہی روز ٹھینگا دکھا کر چلی جاتی۔ وہ تو تم نے مجھے ایک پایا ہے۔ نہ تمہیں میرے مرنے کی خبر نہ میرے جینے کی اپنی قسمت سے جیوں یا مروں۔ میں کہتی ہوں کیا دنیا میں شریفوں کے گھر کا ایسا ہی دستور ہوتا ہے۔ کہ گھر میں عورت کو زندہ دفن کر دیا جائے اور مرد مزے اڑاتے پھریں۔ ارے میں تو نہ جانے کیا سوچکر خاموش رہ جاتی ہوں۔ ورنہ ایک دن میں تمہیں معلوم ہو جاتا۔ کہ عورتیں کیا ہوتی ہیں۔ اور جب زیادہ مجھ پر گزریگی۔ تو یہ بھی کر کے دکھا دونگی۔ بھابی جان نے نہ جانے کتنی بار خط لکھا۔ کہ ایک آدھ مہینہ کے لئے چلی آؤ۔ لیکن محض اسی خیال سے کہ دنیا کیا کہے گی۔ نہ گئی۔ ابھی چاہوں تو تمہیں گھنی کا ناچ نچا سکتی ہوں۔ کسی ایسے ویسے گھر کی بیٹی نہیں

ہوں ۔ میرے یہاں تو بیسوں آدمی یونہی پڑے رہتے ہیں ۔ اگر ایک میں بھی وہاں چلی گئی ۔ تو کیا انہیں کوئی بار ہو سکتا ہے ۔ میں تو خود نہیں جاتی ۔ اور جاؤں کیا ۔ تمہیں اپنے دوستوں اور تفریحات سے ہی فرصت نہیں ہوتی گھر کے متعلق بات چیت کس سے کروں ۔ تم چاہے کچھ کرو ۔ مجھے اس سے کچھ مطلب نہیں ۔ مگر میں بتائے دیتی ہوں ۔ کہ اگر تمہارا طریقہ یہی رہا تو پھر میں بھی گھر کو آگ لگا دونگی اور چلی جاؤں گی ۔ تم جانو تمہارا کام جانے اور پھر اکیلے گھر میں رہوں بھی کیسے رات تو میرے کاٹے نہیں کٹتی ہے ۔ تمہارا گھر کوئی قلعہ تو ہے نہیں ۔ کہ کوئی اندر نہیں آسکتا ہے ہمسائے کی دیواریں دیکھتے ہو کتنی نیچی ہیں ۔ جب کسی کا جی چاہے ایک چھلانگ لگائے اور مکان کے اندر داخل ۔ میں عورت ذات کر ہی کیا سکتی ہوں ۔ اپنی عزت و آبرو بچانے کیلئے صرف جان دے دونگی ۔ اس کے علاوہ میں کیا کر سکتی ہوں ۔ اس جگہ تمہارے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ ہیں ۔ ذرا انہیں دیکھو بیچارے کو نہ کسی کھیل تماشے سے شوق اور نہ سیر و تفریح ۔ کبھی کبھار سینما چلے گئے تو وہ بھی شام کے پہلے حصہ میں اور نو بجتے بجتے گھر پہنچ گئے ۔ مگر تم تو جیسے لاکھوں پر دیا جلائے بیٹھے ہو اگر بہت سیر و تفریح کا شوق ہے ۔ تو مکان میں دو چار پہرہ دار مقرر کر دو ۔ ان کی تنخواہیں ادا کر دو ۔ وہ تمہارے مکان کی چوکسی کریں ۔ دیکھ بھال رکھیں ۔ کیونکہ اب جبکہ تم روزانہ سیر و تفریح

کے لئے جاؤ گے۔ تو کون اس طرح آنکھیں پھاڑتا بیٹھا رہے گا۔ اب تو میں دروازہ بند کر لونگی۔ بلا سے اکیلے رہوں گی۔ یہ تو کھٹکا نہیں رہیگا کہ دروازہ کھلا ہے۔ ایسا نہ ہو کوئی گھس آئے۔ کمبخت اس محلہ میں کتّے اتنے ہیں۔ کہ خدا کی پناہ۔ ذرا سی آنکھ جھپکی۔ اور باورچی خانہ میں کوئی چپ چپ کرتا ہوا معلوم ہونے لگتا ہے۔ گوئی کہاں تک ان کتّوں کے پیچھے کتّا بنے۔ اُفوہ میں کہتی ہوں۔ کہ تمہیں رتی برابر بھی اپنے گھر کا کوئی خیال نہیں رہتا تو پھر ہمیں ہی اپنی جان کہاں تک کھپاتی رہوں گی۔ میں نے بھی یہ طے کر لیا ہے۔ کہ آج ہی سواری منگا کر سونی پور چلی جاتی ہوں۔ اب تم جانو تمہارا گھر جانے تمہاری تہیتی ماما کریما جانے مجھ سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

زندگی کا بیمہ کرانے پر

مَیں کچھ جھوٹ نہیں کہتی ہوں۔ مردوں کی ذات ہی ایسی ہوتی ہے ایک تو تم یونہی صاحب بہادر کرانی بنے رہتے تھے۔ اللہ رسول کو بھول کر بھی یاد نہیں کرتے تھے۔ اب اور بھی بن گیا خدا کی خدائی سے اس کی قدرت سے اس کے رسول سے بھی توبہ توبہ نعوذ باللہ انکار کرنے لگے۔ یا اللہ تو سب کو اپنے دین و ایمان پر قائم رکھنا۔ بھلا یہ دنیا اوپر بات نہیں تو اور کیا ہے اگر ایسا ہی ہونے لگے۔ تو دنیا میں کوئی مرنے ہی کیوں لگے۔ سب ہی زندگی کا بیمہ کرالیں اور مرنے سے بچ جائیں۔ کیسی الٹی اُنسی باتیں ہیں۔ دنیا میں جو پیدا ہوا ہے۔ اس کو ایک دن مرنا ضروری ہے۔ ایک نہیں دس مرتبہ کوئی اپنی زندگی کا بیمہ کرائے۔ تو کیا ہوتا ہے اور نہیں کم از کم اپنے خاندان میں اپنے عزیز و اقارب میں دیکھ لیا ہوتا۔ کبھی کسی نے زندگی کا بیمہ کرایا ہے مَیں تو خیر ایک جاہل عورت ہوں تمہارے یہاں تو بہت سے پڑھے لکھے لوگ ہیں۔ کیا پڑھنے لکھنے کے بعد آدمی اپنا مذہب بھی

چھوڑ دیتا ہے۔ اور یہ مذہب چھوڑنا نہیں تو اور کیا ہے میں کم عقل سہی۔ بدشعور سہی۔ اپنے بڑے بوڑھوں عقل والوں سے دریافت کر لیا ہوتا۔ کبھی ان لوگوں نے بھی زندگی کا بیمہ کرایا ہے۔ تو کیا کمپنی والے آدمی کو مرنے سے بچا لیتے ہیں۔ نگوڑا ایسا پڑھنا لکھنا کس کام کا۔ کہ آدمی اللہ میاں بننے پر تیار ہو جائے۔ اپنا دین وایمان بدل دے۔ توبہ خدا نہ کرے کہ میں اپنا مذہب تبدیل کر دوں۔ اور زندگی کا بیمہ کراتی پھروں۔ جتنے دن جینا ہے جیوں گی۔ ہاں تم کو البتہ روز اسی قسم کے ہنگامے سوجھتے ہیں۔ اچھا یہ بھی سہی کہ تم کو روپیہ ملے گا۔ مگر کب جب خدا نخواستہ تم نہ ہو گئے۔ آگ لگے ایسے روپیہ پیسہ پر۔ میں ایسا روپیہ لیکر کیا کرونگی کیا۔ جھاڑ پھر سے ایسی دولت پہ۔ جب کمانے ہی والا نہ ہوگا۔ تو یہ روپیہ پیسہ کیا ہوگا۔

تم جانتے ہو۔ کہ میں کچھ جانتی ہی نہیں ہوں۔ بالکل اندھی بھیڑی ہوں اگر خدا کو دیکھا نہیں۔ تو کیا عقل سے بھی نہیں پہچان سکتی ہوں۔ کبھی مسجد میں جاتے۔ نماز پڑھتے۔ روتے گڑگڑاتے اس پاک بے نیاز کی درگاہ میں دعا مانگتے، زندگی بڑھتی۔ دولت ملتی۔ ترقی ہوتی۔ مگر تم کاہے کو ایسا کرتے تمہارے نزدیک تو اللہ میاں کوئی چیز ہی نہیں ہیں بس جو کچھ ملے گا زندگی کا بیمہ کرانے سے ہی ملے گا۔

اپنی ہی طرح تم سب کو سیدھا سادھا سمجھتے ہو۔ بس کمپنی والوں

نے کہدیا۔ کہ زندگی کا بیمہ کرانے میں بڑے فائدہ ہیں۔ اور تمہارے دل میں اتر گئی۔ جیسے اللہ میاں کا حکم تھا۔ ماننے پر تیار ہو گئے۔ اور سمجھ لیا۔ کہ جو کچھ ہے زندگی کا بیمہ کرانے ہی میں ہے۔ اب ملک الموت کبھی نہ آئیں گے اب چوٹ چپیٹ نہ لگے گی۔ اب کبھی کھانسی کھرا سے واسطہ نہ پڑیگا بس زندگی کا بیمہ کرا لیا۔ اور ایک کٹورہ زہر بھی پی لو۔ تو وہ گویا شربت ہو جائیگا۔ کیسا کمپنی والے الّو بناتے ہیں۔ اور تم ایسے پڑھے لکھے الّو بن جاتے ہیں۔ مزہ سے مہینہ پر آئینگے اور روپیہ لے جائیں گے اور چین اڑائیں گے تجارت میں لگائیں گے اور نفع خود اُٹھائیں گے۔ پھر کون پوچھتا ہے کہ کیا ہوتا ہے۔ کیسی بُری تقدیر ہے۔ جب سے میں آئی۔ ہر روز ایک نہ ایک نئی بات ضرور ہوتی ہے کبھی ایک منٹ کے لئے کبھی چین نہ پایا۔ آج زندگی کا بیمہ کل موت کا بیمہ ہوگا، پرسوں قیامت کا بیمہ ہوگا۔ یہی آئے دن لگا رہیگا۔ کبھی یہ نہ ہوگا۔ کہ ٹھنڈے کلیجہ کھا سکتی اور ہنس بول سکتی روپیہ پیسہ سنگی بنا ہوا ہے۔ مگر آجتک کسی چیز کا لطف نہ اُٹھایا۔ اپنے جی کا کوئی حوصلہ نہ نکلا اور کیا نکلتا۔ تمہارے خرچ کی تھاہ ہی نہیں ملتی۔ ہر ہر بات میں خرچ لوگ بیوقوف بنایا کرتے ہیں۔ اب یہ مونڈنے کا ایک نیا طریقہ سوجا گیا ہے۔ بس روپیہ مہینہ تنخواہ میں اور کمی ہو جائے گی۔

آخر دنیا میں کیا تمہیں ہو۔ اور بھی آدمی ہیں۔ مگر تمہاری طرح ہمنے

کسی کو نہ دیکھا۔ آدمی کوئی کام کرتا ہے۔ تو سوچ سمجھ کر کرتا ہے۔ اپنے پرائے سے پوچھ لیتا ہے۔ بڑے بوڑھوں سے مشورہ لیتا ہے۔ تب جا کر کوئی کام کرتا ہے اور تم ہو۔ کہ مشورہ بعد میں لیتے ہو۔ پہلے جو کچھ کرنا ہوتا ہے۔ وہ کر لیتے ہو۔ آخر یہ فرعونیت کب تک رہے گی۔ کیا اسی طرح روزانہ زندگی کا بیمہ ہوتا رہے گا۔ ایسا ہی تم کو بڑا خیال تھا۔ تو کسی ڈاکخانہ میں کچھ جمع کر دیا ہوتا۔ چور اچکوں کے ڈر سے بھی نجات رہتی اور اس قسم کے لٹیروں سے بھی بچ جاتے۔ ڈاکخانہ تو پھر بھی سرکاری ہے۔ اور یہ تو لچے لفنگوں کا ہے۔ بھلا اس کا اعتبار کیا۔

اور تمہیں کیا امید ہے۔ کہ تم جو روپیہ زندگی کا بیمہ کرانے میں جمع کر دو گے وہ تم کو ملجائے گا۔ میں کہتی ہوں۔ کہ کیسی بے عقلی کی باتیں کرتے ہو۔ مرنے کے بعد کون کسی کو دینے آتا ہے۔ اور کون کسی سے لیتا ہے۔ ذرا سا عقل سے کام لو۔ کمپنی والے ایسے کہاں کے تمہارے سگے آئے۔ کہ تم مہینہ میں بیس روپیہ جمع کرو گے۔ اور وہ تم کو دس سال کے بعد چھ ہزار کی رقم ـــــ اٹھا کر دے دینگے۔ ارے کیوں اپنی عاقبت برباد کرتے ہو۔ کیوں اپنا روپیہ اس طرح برباد کرتے ہو۔ بڑی ہوس روپیہ پیدا کرنے کی ہے۔ تو کسی تجارت میں لگا دو۔ دیا سلائی کی ڈبیاں پان سگریٹ بیڑی بیچنے لگو۔ موزہ بنیائن کی دوکان کھول دو۔ آٹا دال گھی ڈلی فروخت کرنے لگو۔ مگر یہ سب تم سے

کاہے کو ہو گا۔ اسمیں تو محنت ہے۔ جان لڑانا پڑیگی۔ دماغ صرف کرنا پڑیگا۔ پھر ان روپوں سے بھی ہاتھ دھو لو۔ بیٹھے بیٹھے شیخ چلی کی سی باتیں کیا کرتے ہو۔ نہ کسی کی سنتے ہو۔ نہ کسی کا کہنا مانتے ہو۔ نہ کسی کی رائے لیتے ہو۔ اور نہ کسی کا مشورہ مانتے ہو۔ آج زندگی کا بیمہ کرانے میں فائدہ بتاتے ہو۔ کل کہو گے گرجا میں نماز پڑھیں گے۔ اس میں تو اور بھی روپیہ ملے گا۔ پرسوں ننگے ہو کے ناچو گے۔ میں تو ایک بات کہتی ہوں۔ تمہارے جو جی میں آئے وہ کرو۔ اور اب تک جو جی میں آیا کیا۔

چلو بس رہنے دو مجھے نہ سمجھاؤ۔ کیا میرا دماغ پھرا ہوا ہے۔ میں تمہاری طرح خدانخواستہ بے عقل تو ہوں نہیں۔ کون کہتا ہے۔ کون منع کرتا ہے۔ شراب بھی پیو گے۔ جوا کھیلو گے حرام چیز بھی کھاؤ گے تمہیں تو منع کرنے سے اور ضد ہو جاتی ہے۔ اور پھر میری بلا کو کیا غرض میں کیوں منع کرنے لگی اور خواہ نخواہ میں کیوں منع کرنے لگی۔ اور اپنے سر کیوں عذاب لیتے لگی۔ تم خود اپنے مالک و مختار ہو۔ ایک نہیں دس مرتبہ زندگی کا بیمہ کراؤ اور اپنی پوری تنخواہ بیمہ کی نذر کر دو۔ کسی سے کیا مطلب کیا غرض کیا مجھے کیا کتے نے کاٹا ہے۔ اچھی اوبچ ہے۔ بیمہ نہ ہوا۔ خدا کا حکم ہو گیا۔

یہی روپیہ کسی اور کام لگاتے۔ کسی نیک کام میں دیتے۔ ثواب بھی ملتا اور عاقبت بھی درست ہوتی۔ خدا اور اس کے رسول کی خوشی بھی ہوتی

جس کا دنیا میں بھی نام ہوتا۔ اور عقبیٰ میں بھی اس کا اجر ملتا۔

کہتے ہو صاحب کا حکم ہے۔ کمپنی میں بیمہ کراؤ۔ بہت اچھا اب ان کے حکم کو نہ مانوگے تو بخشے نہ جاؤگے ملازمت سے برطرف کر دیئے جاؤگے میں کہتی ہوں۔ کہ تمہارے منہ سے نہ نکلا۔ کہ ہم گھر بار والے ہیں بال بچے دار ہیں۔ مہینہ میں اگر بیس روپیہ بیمہ کمپنی کو دے دینگے۔ تو گھر کا خرچ کیسے چلے گا۔ کیا صاحب زبردستی تمہاری جیب سے روپیہ نکال کر دے دیتے یا توپ سے باندھ کر اڑا دیتے۔ اور پھر کچھ انہیں پر خدائی تو ختم نہیں ہے۔ جس کو ہزار بارہ سو روپیہ تنخواہ میں ملتے ہوں۔ وہ اپنی زندگی کو فروخت کر ڈالے تو کیا جس کے اتنی ہی اوقات ہو۔ وہ کیا کرے۔ مگر میں جانتی ہوں۔ کہ میرے چیخنے چلانے سے کچھ نہ ہوگا۔ تم اپنی ہی کروگے۔

اگر میں کہوں کہ لاؤ مجھ کو دس ہی روپیہ ماہوار مہینہ میں دے دیا کرو۔ تو یہ نہ ہو سکے گا۔ وہ تو صاحب کا حکم ہے۔ کہ زندگی کا بیمہ کراؤ صاحب کا حکم نہ ہوا خدا کا حکم ہو گیا۔ اگر کوئی عالم کہتا۔ کہ ایک یتیم خانہ میں کچھ چندہ دے دو۔ تو بس بغلیں جھانکنے لگتے۔ اور دل میں یہی کہتے۔ کہ یہ تو اپنے کھانے کمانے کی باتیں کرنے لگے اور اس پر مضحکہ اڑاتے مذاق کرتے اور جیب سے پھوٹی کوڑی نہ نکلتی۔ مگر صاحب کا حکم کیسے ٹل سکتا ہے۔ اچھا بھلا یہ تو بتاؤ۔ اب تک کتنے آدمیوں نے زندگی کا بیمہ کرایا۔ اور ان میں سے

کیا سب زندہ ہیں۔ اور وہ کبھی نہ مریں گے۔ بس عاقبت کی لوپیاں سمیٹتے رہیں گے۔ گویا زندگی کا بیمہ کرانے سے قیامت تک نہ مرنے کا پٹہ لکھا لیا خدا کی مار اس عقل پر اور ان مشورہ دینے والوں پر۔ ارے میں کہتی ہوں۔ کہ مہینہ مہینہ نوکروں کی تنخواہ تو ادا نہیں ہوتی۔ بھلا یہ بیس روپیہ کس طرح ہر مہینہ ادا ہوگا۔ اور پھر اگر کسی مہینہ یہ رقم نہ پہنچے۔ تو بس جو روپیہ جمع کیا ہے۔ وہ بھی کمپنی والوں کے باپ کا ہو گیا۔ صریحاً دغا بازی اور جعلسازی ہے۔ مگر تمہارے دل میں کچھ اس طرح اتر گئی ہے کہ بس زندگی کا بیمہ کرانا پتھر کی لکیر ہو گئی ہے۔ اب بغیر زندگی کا بیمہ کرائے کھانا پینا حرام ہو گیا ہے اور اب بغیر زندگی کا بیمہ کرائے ہوئے زندگی ہی نہیں ہو سکتی ہے۔ جہاں زندگی کا بیمہ کرایا اور ملک الموت بھاگے کیا کہنا ہے۔

میں تو یہ سنا کرتی تھی۔ کہ تم بڑے عقلمند ہو۔ مگر اب تجربہ سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ تم کو عقل چھو کر بھی نہیں نکلی۔ اپنے حساب زندگی کا بیمہ کرا کر اللہ میاں اور اُن کے فرشتوں کو توبہ توبہ نعوذ باللہ رشوت دے رہے ہو۔ حالانکہ یہ تو اللہ میاں سے لڑنا ہوا۔ موت اور زندگی کی ایک مدت ہوتی ہے۔ جب موت آئے گی تو کوئی بچا نہیں سکتا ہے۔ اور اگر موت نہ ہو۔ تو آدمی سولی پر سے اترا آتا ہے۔ مگر تمہاری باتیں تو کچھ ایسی ہو گئی ہیں۔ کہ سمجھ ہی میں نہیں آتا۔ تم خود تو اپنی زندگی کا بیمہ کرانے جا رہے ہو۔

اور میری زندگی کو اجیرن کر رہے ہو۔ چاہتے ہو۔ کہ مَیں کل کی مرتی آج ہی مر جاؤں۔ مگر تم سے کہے دیتی ہوں۔ کہ کاغذ کی ناؤ ہمیشہ نہیں چلا کرتی ہے۔ ضبط صبر کی بھی حد ہوتی ہے۔ جب تک میرے بس میں تھا مَیں نے صبر کیا۔ اب مجھ سے نہیں ہو سکتا ہے کہ ان تمام مخمصوں میں اپنی دو دن کی زندگی کو اس قدر تلخ کروں۔ اور اگر تلخ بھی کروں۔ کس کے لئے بھینس کے سامنے بین بجانا ہے۔ اگر مَیں جانتی۔ کہ تم کو بھی میرا خیال رہتا ہے۔ تو مَیں یہ بھی انگیز کر لیتی۔ تم کو دنیا اوپر باتیں آتی ہیں اب یہی دیکھو نا۔ بیٹھے بیٹھے زندگی کا بیمہ کرانے کی سُوجھ گئی ہے۔ اور یہ ہو کر رہے گا۔ مَیں پاگلوں کی طرح چیخ کر چپ ہو رہوں گی۔

افوہ دنیا بھی کتنی خود غرض ہے۔ ایک ہفتہ سے مجھ کو زکام ہو رہا ہے چھینک پر چھینک چلی آتی ہے۔ سر میں اس قدر شدّت کا درد ہو رہا ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ کنپٹی ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔ مگر تم کو کوئی خبر نہیں ہے۔ پرسوں سے حرارت بھی ہے۔ پڑوسن کہتی تھی۔ کہ ایسی حالت میں حرارت کا رہنا اچھا نہیں ہے۔ خدا نہ کرے اور کا طور ہو جائے۔ اور لینے دینے پڑ جائیں۔ مگر یہ سب کس سے کہتی۔ تم کو ہماری کوئی فکر نہیں ہے۔ تم کو تو بس اپنی زندگی کا بیمہ کرانے کی فکر ہے۔ دوسرا چاہے مر جائے کھپ جائے مگر تمہاری بلا سے۔ چار پیسہ روز کا جوشاندہ بھی منگا نہیں سکتی ہوں۔

اور آپ ہیں۔ کہ اب اس بات پر آمادہ ہیں۔ کہ زندگی کا بیمہ کرا کے رہیں گے اور بیس روپیہ ماہوار کمپنی والوں کی نذر کریں گے۔ میں کہتی ہوں۔ کہ اگر تم کو یہی سب کچھ کرنا تھا۔ تو پھر یہ شادی بیاہ کس کے اوپر کیا تھا۔ مرنے سے اتنا ڈرتے ہو۔ کہ زندگی کا بیمہ کرانے پر تلے ہو۔ اور خدا کا خوف کچھ نہیں دن کے پانچ وقت میں سے ایک وقت بھی سجدہ بھولکر نہیں کرتے۔ کبھی سوتے جاگتے بھی اللہ رسول کا نام نہیں لیتے ہو۔ بس یہ جانتے ہو کہ زندگی کا بیمہ کرا لو گے۔ تو ان تمام باتوں سے نجات مل جائے گی۔ ارے خدا کے غضب سے ڈرو۔ اگر ایسا ہی ہوتا۔ تو دنیا میں سب لوگ زندہ رہتے۔ گویا تمہارے نزدیک دوزخ جنت سب ایک ڈھکوسلہ ہے پھر یہ مرنے سے کیوں ڈرتے ہو۔ اور زندگی کا بیمہ کیوں کراتے ہو۔ تمہیں حساب لگاؤ۔ کہ جتنی تنخواہ لاتے ہو۔ اس میں کیا کیا خرچ ہوتا ہے۔ تمہارے کلب کا چندہ ایک تمہارے دوست احباب کی خاطر تواضع دو تمہارے چپڑاسیوں کو انعام و اکرام۔ تین تمہارے گھر کے ملازمین کی تنخواہیں۔ چار کرایہ مکان۔ پانچ پانی کا خرچ۔ چھ بجلی کی روشنی اور بجلی کا پنکھا۔ سات تمہارے اخباروں کی قیمت۔ آٹھ تمہارے روزانہ سیر تفریح کا خرچ نو گھر کے کھانے پینے کا خرچ۔ دس نائی دھوبی بھنگی اور دیگر متفرق اخراجات کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ اب یہ نیا اضافہ ہوا ہے۔ کہ

ہر ماہ بیس روپیہ بیمہ کی کمپنی والوں کو بھی اسی میں سے دینا پڑیں گے اب بتائیے کہ پوری تنخواہ کا تو یہ حساب ہے جس میں سے ایک پیسہ نہ کم ہو سکتا ہے اور نہ زیادہ۔ بعض وقت اسی میں پورا نہیں پڑتا ہے۔ اور ہر مہینہ کچھ نہ کچھ قرض دام کرنا پڑتا ہے تو اب کیا میں کمانے جاؤں گی یا کہیں ڈاکہ ڈالوں گی۔ اور چوری کر کے لاؤں گی۔ اور گھر کا خرچ پورا کروں گی اور آپ کی زندگی کے بیمہ کرانے کی فیس بھی ادا کرنا پڑیگی۔ پھر اب بتاؤ۔ کہ اتنا خرچ کہاں سے پورا ہوگا۔ اب یہی ہو سکتا ہے۔ کہ گھر کے نوکروں چاکروں کو جواب دے دو۔ بجلی کی روشنی کی بجائے مٹی کے تیل کا چراغ جلاؤ۔ برف کا پانی پینے کے بجائے نل کا اُبلا ہوا اور گرم پانی پیو۔ بجلی کے پنکھے میں بیٹھنے کی بجائے پارک کی کھلی ہوا میں ٹہلا کرو ایک وقت فاقہ کرو۔ اور ایک وقت جتنی روٹی پہ قناعت کرو۔ مجھ کو میرے ماں باپ کے مکان پہنچا دو۔ مکان کو چھوڑ کر کسی ہوٹل میں ایک آٹھ آنہ ماہوار کا کمرہ لے لو۔ یا اگر اور کفایت کرنا چاہو۔ تو کسی دھرمسالہ میں جاکر رہنے لگو اور بس اطمینان سے جتنی مرتبہ چاہو۔ زندگی کا بیمہ کراؤ اور پھر دیکھو۔ کہ زندگی کا بیمہ کرانے سے کیا ہوتا ہے۔ میاں ایک ہی دن تو پتہ چل جائے۔ کہ میں جو کہتی تھی۔ ٹھیک کہتی تھی۔ جب گوشت کے بغیر حلق سے نوالہ نہ اترے گا۔ تو معلوم ہو گا۔ کہ تنخواہ سے بیس روپیہ

کم ہو جانے سے کیا ہوتا ہے۔ ابھی تو یہ سمجھتے ہو۔ کہ میں جو کچھ کہتی ہوں۔ بکواس ہے۔

ہاں ہاں میں بیوقوف سہی۔ مگر تمہاری طرح نہیں ہوں۔ کہ اپنے گھر کی دولت اس لالچ میں کسی کو اٹھا کر دے دوں۔ کہ یہ دو چار سال میں اس کا دوگنا دے دیگا۔ یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔ اچھا تو مجھ سے پھر مشورہ کرنیکی کیا ضرورت ہے۔ تمہارے دل میں بھی سما گئی ہے تو بسم اللہ کرو۔ میں روکتی نہیں۔ میں تو دنیا کی بات کہتی ہوں۔ تمہارے معاملات میں دخل نہیں دیتی ہوں۔ جاؤ شوق سے زندگی کا بیمہ کراؤ۔ خدا مبارک کرے میں بھی دیکھونگی۔ کہ کس طرح دس ہزار روپیہ مل جاتے ہیں۔ اول تو میں خود اس کوفت میں گھل گھل کر مری جاتی ہوں۔ لیکن اگر زندہ رہ گئی تو دکھا دوں گی۔ کہ کمپنی والے دینے کے وقت صورت بھی نہ دکھائیں گے خطوں کا جواب بھی نہ دینگے۔ کیا تم کو نہیں یاد ہے تمہیں ایک مرتبہ کہہ رہے تھے۔ کہ جج صاحب نے اپنے اور اپنے لڑکوں کی زندگی کا بیمہ کرایا اور چار پانچ سال تک پانچہزار روپیہ کمپنی والوں کو دیا۔ لیکن پانچویں سال ایکا ایکی معلوم ہوا۔ کہ کمپنی کا دیوالہ ہو گیا۔ اور جج صاحب کو ایک پیسہ بھی نہ ملا۔ بیچارے اپنی ساری عمر کی کمائی گنوا بیٹھے اور آخرکار اسی کوفت میں ان کا انتقال ہو گیا۔ اب بیچارے ان کے بچوں کا کوئی پوچھنے والا

بھی نہیں ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی نادان بنتے ہو۔ میں تو عورت ذات ضرور ہوں۔ لیکن اتنا ضرور جانتی ہوں۔ اور تم جو ہر وقت کچہری دربار کا منہ دیکھتے رہتے ہو۔ اور پھر بھی نہیں سمجھتے ہو۔ تم کیا کرو۔ جب نصیب ہی سے اتنے روپیہ اتر گئے۔ تو اس میں تمہارا کیا قصور ہے بس بیمہ کمپنی والوں کی تقدیر چمک اُٹھی ہے۔ اور جب تک ان کی قسمت میں ہے بیس روپیہ ماہوار کی پنشن ان کو دیتے رہو گے۔ اور گھر میں بچے فاقہ کیا کریں گے۔ جب تم اپنی کمائی لٹانے ہی پر آ گئے ہو۔ تو پھر اسکو کوئی کیا کرے۔ اور کسی کو کیا پڑی ہے۔ کہ وہ کسی سے برا بنے۔ تم کماتے ہو۔ تم کو اختیار ہے۔ جو چاہے کرو۔ لیکن اتنا یاد رکھو۔ کہ اب میں بھی اپنا مہر لئے بغیر نہ چھوڑوں گی۔ سوا لاکھ روپیہ کی فکر کر رکھو۔

پردہ پر

آگ لگے اس پردہ کو۔ بھاڑ میں جائے یہ پردہ۔ جس نے ہم کو بالکل نکمّا، اپاہج بنا دیا ہے۔ نہ کسی کام کی نہ کاج کی دنیا بھر کی احتیاج ذرا ذرا سی چیز کے لئے ایک ایک سے خوشامد کرنا اور پھر بھی نہ میسر آئے۔ نوج ایسا پردہ کس کام کا۔ اپنے حساب سے قیدخانہ میں بند ہیں۔ نہ کہیں آنے کے نہ کہیں جانے کے۔ دم گھٹ گھٹ کر رہتا ہے۔ جی گھبراتا ہے۔ مگر کیا کریں۔ مجبوری نے قفس میں لا کر بند کر دیا ہے۔ سنتے ہو اس سے تو یہ اچھا ہے۔ کہ مجھے پھانسی لگا دو۔ مجھ سے تو گھٹ گھٹ کے نہیں مرا جاتا۔ تم کو کیا اگر تم بھی ہماری طرح ہی پردہ میں رکھے جاتے۔ تو پتہ چلتا۔ اب یہی دیکھو نا۔ کہ اگر ایک منٹ کے لئے بھی تم کو گھر میں روک لینا چاہے تو نہ رکو گے۔ ہزاروں حیلے بہانے کرتے ہو۔ کبھی کہتے ہو۔ کہ ذرا سی تازہ ہوا کھا آئیں۔ کیونکہ اس سے صحت اچھی رہتی ہے۔ کبھی کہتے ہو۔ کہ گھر میں

بیٹھ کر دم گھبراتا ہے۔ مَیں پوچھتی ہوں۔کہ کیا تم ہی دُنیا میں انسان ہو۔ آخر میری بھی جان ہے۔تمہاری ہی طرح ایک مَیں بھی انسان ہوں بس یہی ناکہ تم مرد ہو اور مَیں عورت۔تو مَیں شکر کی پڑیا ہوں۔کہ کوئی مجھے گھول کر پی جائے گا۔تر نوالہ ہوں۔کہ مجھ کو کھا جائے گا۔تمہاری ہی طرح دنیا میں سب مرد بدنیّت ہیں۔ خدا خدا کرو۔مَیں تو اس ہر وقت کی کوفت سے گھُلی جاتی ہوں۔مجھ سے تو یہ قید و بند نہ اُٹھے گی۔اب تو مَیں ایک منٹ کے لئے بھی گھر میں نہ بیٹھوں گی۔جب تم روزانہ سیر سپاٹا کرتے ہو۔ایک ایک دو دو بجے رات تک سرگشتی میں رہتے ہو۔تو کیا مجھ کمبخت ماری ہی پر ساری کمبختی آفت آئی ہے۔ہزاروں روزانہ اسی طرف سے کھلے بندوں جاتی ہیں۔سیر کرتی ہیں۔اور گھر واپس آتی ہیں۔ مجھ میں ایسے کون سے لعل ٹکے ہیں۔جو کوئی توڑ لے گا۔مہینوں ہو گئے ہر وقت طبیعت مضمحل رہتی ہے۔نہ اچھی طرح کھانا کھایا جائے۔نہ نیند آئے۔اگر باہر کی تازی اور کھلی ہوا میں ایک گھنٹہ بھی مل جائے۔تو یہ سارا فساد دُور ہو جائے۔لیکن وہ تو کمبخت پہ وہ مارے ڈالتا ہے۔جیسے ایک تمہیں تو اب دنیا میں اکیلے شریف رہ گئے ہو۔اور سب کے سب رذیل آباد ہیں۔کل ہی کا ذکر ہے۔کہ کمبخت بندے نیچے والا دروازہ پر گھنٹوں چیختا رہا۔نہ حرامزادی نصیبن گھر میں نہ موئے کریم کا پتہ اور

تم تو بھلا کاہے کو ہوتے۔ کمبختی کی ماری پردے کا بُرا ہو۔ سن کر رہ گئی بندے نہ خرید سکی۔ پیاس کے مارے چاہے دم نکل جائے۔ لیکن دوپہر میں ٹھنڈا پانی نہیں نصیب آتا۔ اور نصیب ہو تو کیا ہو۔ اُس وقت کوئی گھر میں موجود نہیں۔ نہ گھر میں ٹھنڈا پانی رہتا ہے۔ نہ باہر سے برف خرید سکتی ہوں ہاں ہاں مجھے معلوم ہے۔ کہ پردہ کرنا چاہیئے۔ مَیں نے شرع و حدیث پڑھی ہے مگر وہ شرع نہیں پڑھی جو تم نے پڑھی ہے۔ تمہاری شرع ہماری شرع سے بالکل الگ ہے۔ کہتے ہوئے شرم تو نہیں معلوم ہوتی۔ کیا اس قدر سخت پردہ شرع میں ہے؟۔ پڑھے نہ لکھے مُلّاں فاضل نام۔ توبہ توبہ پردہ کے معنی بھی تو تم کو معلوم نہیں ہیں۔ اور پھر اس پر پردہ پردہ بگھارتے ہو۔ اچھا اب کل سے تم کو بھی اسی پردے میں رہنا پڑے گا۔ عورت کے لئے حیاء۔ غیرت پردہ دُنیا بھر کی چیزیں ہیں۔ لیکن مردوں کے لئے کچھ نہیں بالکل آزادی جو چاہے کریں۔ گویا توبہ توبہ اللہ میاں نے دوزخ و جنّت سب عورتوں ہی کے لئے بنائی ہے۔ مرد بیچارے فرشتوں کی صف میں داخل ہو جائیں گے۔ خدا کی پناہ تمہاری عقل تو جیسے ماری گئی ہے مَیں کہتی ہوں۔ کیا پردہ میں رکھ کر اچار ڈالوگے یا کیا کروگے۔ تمہارے خاندان میں تو لوگ اتنے کٹر مُلا نہیں تھے۔ مگر آپ کڑوا کریلا ہوتے جاتے ہیں۔ اچھا مَیں کہتی ہوں کہ مجھے تم ستر کوٹھڑیوں میں بند رکھو۔ مگر

آج سے گھر کی تمام ذمہ داریاں بھی لے لو۔ اور اگر یہ نہیں کر سکتے۔ تو لو آؤ۔ تم پردے میں بیٹھو اور مجھے باہر جاکر سارا کام انجام دینے دو۔ بس خالی خولی پردہ کا نام ہی سُن لیا ہے۔ اور خدا کے فضل و کرم سے کسی چیز سے واسطہ نہیں ہے۔ مُنّے کو دیکھو۔ کہ ایک ایک چیز کے لئے پھر ٹک پھر ٹک کر رہتا ہے۔ دروازے پر دنیا بھر کی چیزیں بکنے آتی ہیں۔ مگر میرے کس کام کی۔ نہ تم گھر میں رہتے ہو۔ نہ نیک بخت نصیبن کا پتہ رہتا ہے میں ہوں۔ کہ پردہ کی بو بو بنی ہوئی ہوں۔ کوئی آواز نہ سُن لے۔ کوئی جھلکی نہ دیکھ لے۔ نگوڑا پردہ کیا ہے۔ عذاب جان یا کوئی شیر، بھیڑیا کسی کو پھاڑ ڈالے گا۔ کوئی سُنے تو کیا کہے اور کیسا مذاق اُڑائے۔ اور پھر لطف یہ کہ گھر میں بھیتر باہر کی ساری ذمہ داری مجھ پر۔ ایک طرف تو پردے کی تاکید ہے اور دوسری طرف مزاج میں یہ بوکھلاہٹ۔ کہ مجھی سے پوچھتے ہو۔ رضا آئے اور چیخ کر چلے گئے۔ چپراسی دفتر سے فائلیں لینے آیا۔ اور کوئی نہ بولا۔ ممتاز مجھے دریافت کرنے آئے اور یوں ہی واپس گئے۔ بلا سے میری جوتی سے۔ رضا آئے چیخ کر چلے گئے۔ اچھا ہوا۔ چپراسی کمبخت یوں ہی واپس گیا۔ خوب ہوا۔ مختار کو کسی نے جواب نہ دیا۔ کیوں یہ بھول گئے تھے کہ میں پردے میں رہتی ہوں؟۔ کیا یہ خبر نہ تھی۔ کہ کسی کو آواز سُنانا گناہ ہے؟۔ اب ساری شرع غائب ہوگئی۔ رکھو نا اور دو تین نوکر کہ موئے

دروازہ پر ہر وقت پڑے رہیں۔ اور تمہارے احباب کی خاطر و تواضع کیا کریں۔ کوئی جواب دینے والا ہو۔ تو کیوں کوئی پہنچ کر واپس جائے مجھ پر کیوں غصہ دکھاتے ہو۔ پردہ بھی چاہتے ہو۔ یہ سب کچھ خدمت بھی انجام دیا کروں۔ اب تمہیں تھوکو اور تمہیں چاٹو۔ مجھ پر تو پردہ کا بھوت سوار ہے۔ اور اب مَیں نے یہ طے کر لیا۔ کہ سارے کام یونہی پڑے رہا کریں گے یا تم خود کرو گے یا کوئی دوسرا انتظام کرو گے۔ گھر میں ایک اور ماما نوکر رکھو۔ کہ باہر کے مردوں سے بات چیت کرے اور سب کی خاطر مدارات کرے۔ ہاں پوسٹ مین کتابوں کا پارسل لے کر آیا تھا۔ پھر مَیں کیا جانوں۔ واپس گیا ہوگا۔ کمبخت بھاڑ میں جائے پوسٹ مین اور آگ لگے پارسل کو۔ مَیں کیا کرتی۔ مَیں کیا پردہ توڑ دیتی۔ تم جانو۔ تم بھگتو۔ مجھے اس سے کوئی بحث نہیں ہے۔ اب مَیں پردہ کروں گی۔ واہ واہ یہ بھی خوب رہی۔ کہ مَیں تو قید خانہ میں پڑی سڑا کروں اور آپ دن رات شہر میں بغلیں بجاتے پھرا کریں۔ یہ نہ سمجھنا کہ مجھے اس طرح قید کر کے تم آزادی سے گھرے اُڑاؤ گے۔ اگر تم ایک قدم تو دو قدم تم سے آگے رہوں گی۔ تم اگر ایک مرتبہ سینما جاؤ گے۔ تو مَیں دس مرتبہ سینما جاؤں گی۔ بڑے آئے وہاں سے پند و نصیحت کا دفتر لے کر۔ پہلے آپ اپنی عاقبت کی خبر لیجئے۔ اس کے بعد پھر میرے گناہ بخشوائیے گا

ہمارے لئے پردہ بھی ہے۔ شرع بھی ہے۔ اور ساری دنیا کی جکڑ بندیاں۔ مگر خود اپنے لئے حرام ہلال سب جائز ہیں۔ بس خبردار جو آج سے پردہ کا نام لیا۔ تو تم جانو گے۔ اور نہیں تو دیکھتے ہو۔ میں ساری شیخیت نکال دونگی۔ بس ایک میرے پردے سے آپ کی ناک کٹ جائے گی؟۔ جب دروازے پر سینکڑوں تقاضے کرنے آتے ہیں۔ برا بھلا کہتے ہیں۔ تب آپ کی ناک کہاں چلی جاتی ہے۔ اور سب کچھ بھول گئے۔ لے دے کے بس ایک سبق یہی یاد رہ گیا۔ 'پردہ' —— 'پردہ' —— 'پردہ' !!!